آجکل

اگست 2022 ₹22

گوپی ناتھ امن

دلّی میں 15 اگست 1947

ہندوستان کی تاریخ میں 15 اگست 1947 کا دن یادرہے گا۔اس دن وطن آزاد ہوا۔صدیوں کی غلامی کا جوا اہل ہند کی گردن سے اترا، رہبران قوم کی کوششیں بارياب ہوئیں، بہی خواہان وطن کی امیدیں بر آئیں، دلوں میں نئی امنگ پیدا ہوئی، زمین، آسمان بدلے سے نظر آنے لگے۔ اس دن کو گزرے سال بھر ہونے کو آیا لیکن ابھی تک تصور کی آنکھوں میں وہ منظر پھرتے رہتے ہیں، کوئی سیاسی مقصود نہیں، البتہ جی چاہتا ہے کہ 15 اور 16 اگست کو دلی میں جو دھوم دھام رہی، چند لفظوں میں اس کا مختصر سا نقشہ پیش کر دیا جائے۔ 9 اگست سے ہی دلّی میں آزادی کا ہفتہ منایا جانے لگا۔ یوں تو ایک سال پہلے بھی نام نہاد قومی حکومت قائم ہو چکی تھی، لیکن اس وقت یہ جوش وخروش نہ تھا کیونکہ جہاں جابجا ترنگے جھنڈوں کی صفیں نظر آتی تھیں وہاں کہیں کہیں کالے جھنڈے بھی دکھائی دیتے تھے، تمام مزا کرکرا ہو جاتا تھا، لیکن اس بار یہ بات نہ تھی، بچے، بوڑھے، مرد، عورت، ہندو، مسلمان سب دلشاد نظر آتے تھے۔ ہفتہ آزادی کی ابتدا رام لیلا گراؤنڈ میں ایک پبلک جلسہ سے ہوئی، جس میں آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو نے تقریر فرمائی، حاضری کا کوئی شمار نہ تھا۔ اخباروں کے اندازے کے مطابق کوئی دو لاکھ آدمی اس جلسے میں موجود تھے، ہر چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں تھے، پنڈت جی کی تقریر بڑے شوق بلکہ جوش کے ساتھ سنی گئی۔ سب کی نظریں اس رہبر پر لگی ہوئی تھیں جو ایک ہفتہ بعد ہند یونین کا وزیر اعظم ہونے والا تھا۔ پانچ مہینے پہلے ایشیا کے ممالک اسے اپنا لیڈر تسلیم کر چکے تھے اس لیے ہند یونین کے وزیر اعظم ہونے سے اس کے رتبے میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے اتنی محبت اور عزت موجود تھی کہ اس میں اضافے کی گنجائش نہ تھی البتہ چہروں پر مسرت کی لہریں ضرور دوڑ رہی تھیں۔ لالہ دیش بندھو گپتا نے اسٹیج پر ہی پنڈت جی کو وہ دعوت نامہ پیش کیا جو 16 اگست کو پنڈت جی کے ہاتھوں لال قلعہ پر قومی جھنڈا لہرانے کی تقریب کے متعلق تھا۔ پنڈت جی نے دعوت نامے پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور جہاں انہیں وزیر لکھا تھا اس عبارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی سے یہ لفظ لکھ دیا۔ لالہ جی نے جواب دیا، کیا اس میں کوئی شک بھی ہے۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے پنڈت جی اسٹیج پر اس بچے کے ساتھ کچھ دیر کھیلتے رہے جس نے کسی طرح وہاں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ حاضرین نے اس منظر کا بڑا لطف اٹھایا۔ جب پنڈت جی اسے ہار پہناتے تھے اور وہ پنڈت جی کو پہناتا تھا۔ رہنمائے عالم مہاتما گاندھی کی طرح پنڈت جی کو بھی بچوں سے کھیلنے کا بہت شوق ہے۔ 9 اگست کا یہ جلسہ یہ یاد دلانے کے لیے تھا کہ آج سے پانچ سال پہلے جس آزادی کے حاصل کرنے کی کوشش کے جرم میں رہنمایانِ وطن کو قید کیا گیا تھا وہ آزادی حاصل ہوئی ہے اور وہی قیدی اب حکومت ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گی۔

11 اگست کو شہیدوں کا دن اسی ہفتۂ آزادی کے سلسلے میں منایا گیا۔ پانچ سال پہلے اسی تاریخ کو دلّی کے چاندنی چوک میں اس جلوس پر گولیاں چلی تھیں، (باقی صفحہ 52 پر)

ولبھ بھائی پٹیل

یوم آزادی کے موقع پر

نائب وزیر اعظم کا پیغام

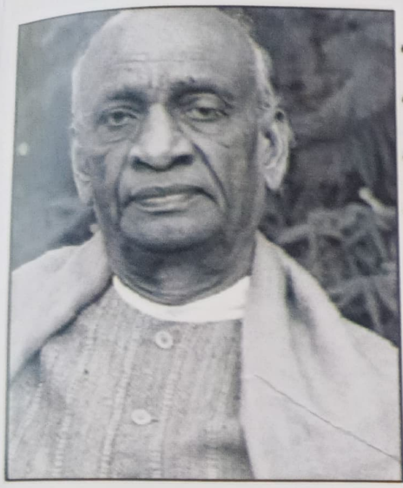

15 اگست 1947 کا دن صرف ہندوستان کی تاریخ ہی میں نہیں بلکہ برطانیہ، کامن ویلتھ اور دنیا کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ اس سے پہلے کوئی ایسا موقع نہیں آیا ہے کہ اتنے کروڑوں انسانوں نے صرف ایک دن میں آزادی حاصل کی ہو۔ برطانیہ کے لیے یہ دن افتخار و نازش کا دن تھا۔ افتخار کا دن اس لیے کہ ایک قوم کو اپنی دلی مراد حاصل کرنے میں اس نے امداد دی اور نازش کا دن اس حیثیت سے کہ اس نے ایک وسیع سلطنت کو بہ رضا و رغبت درجۂ نو آبادیات عطا کیا۔ اس صورت حال سے دولت مشترکہ کو ایک ایسا رفیق مل گیا جو کسی زمانے میں مملکت گم شدہ کہا جاتا تھا، دنیا نے اپنی مجلس میں، قوت پرستارانہ سیاست سے غیر متاثر اور بلند تصورات سے پیدا شدہ ایک ایسی بے مثال اور آزاد آواز حاصل کر لی جس کی بنیاد ایک نئے فلسفے پر قائم تھی۔

ہم نے اب تک کیا حاصل کیا، کن باتوں سے روگردانی کی اور کیا کیا حاصل نہیں کر سکے۔ ان تمام معاملات کا تاریخ حاضر سے تعلق ہے۔ ان کے متعلق پبلک خود ہی فیصلہ کر سکتی ہے۔ اگر کچھ امیدیں غلط ثابت ہوئی ہیں تو بہت سے خطرے بھی باطل ٹھہرے ہیں۔ ہم بہت سی بلاؤں اور ہنگاموں سے بچ نکلے ہیں جن میں سب سے بڑا حادثہ ہمارے دیش پتا کی موت تھا۔ ہماری حکومت، ہمارا نظم و نسق، ہمارے مالیات اور ہماری قوم سب کے سب حالات کی بے شمار ضربوں سے بوکھلائے ہوئے تھے، لیکن ہم معجزانہ طریق پر وقت کے گرداب اور اسکے متلاطمانہ تھپیڑوں کے اندر چٹانوں کی طرح ڈٹے رہے۔ اپنے وقار کو بڑھانے، اپنی عزت کو برقرار رکھنے اور اپنی فلاح و بہبود کو محفوظ رکھنے کی خاطر ہم عزم راسخ اور استقامت سے قدم جمائے ہوئے ہیں تاکہ ہر اس موقع سے جو ہمیں ملے فائدہ اٹھائیں۔

کوئی یہ نہ سمجھے ہم ان مسائل کی خطرناکیوں اور نزاکتوں سے غافل ہیں جو ہمارا احاطہ کیے ہوئے ہیں بلکہ انہیں نظر رکھنا چاہئے۔ ان مشکلات پر جو ہم نے وراثت میں پائیں۔ ان مواقع پر جن کے زیر سایہ ہم نے پسینہ بہایا۔ ان خطرات پر جن کا ہم نے مقابلہ کیا۔ ان مصیبتوں پر جن پر ہم نے فتح حاصل کی اور ان مزاحمتوں پر جن سے ہم نے اپنا دامن بچایا۔ یقیناً ان تمام امور کے باوجود ہمارے قدم جمے ہوئے ہیں اور ہم اس قابل ہیں کہ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکیں، یہ بڑا ثبوت ہے ہماری توانائی، ہماری حوصلہ مندی اور ہماری پختہ اعتقادی کا۔ آزادی کی اس پہلی سالگرہ پر کمزوری کے کسی تصور کو دل میں نہ آنے دیجئے بلکہ اس کے برعکس آیئے ہم اپنے ملک و مقصد کی خاطر پسینہ بہانے کا۔ وہ چند ہمت و جوش اور اپنے وطن کی خوش انجامی کے تازہ دم یقین کے ساتھ، عزم کریں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اس متاعِ گراں بہا کا تحفظ کر سکتے ہیں، جو سالہا سال تک خون پسینہ ایک کر کے اور مصیبتیں جھیل کے حاصل کی ہے اور وہ متاعِ گراں بہا ہے "مادر وطن کی آزادی"۔

☆☆

اردو کا بین الاقوامی ادبی اور ثقافتی ماہنامہ

آجکل

نئی دہلی

جلد:81 شمارہ:01

اگست 2022 شراون - بھادرپد شک 1942

ایڈیٹر : فرحت پروین

اعزازی مدیر : حسن ضیاء

فون : 011-24369189

معاون : نرگس سلطانہ

کمپوزنگ : آئی احمد

سرورق : نشانت پٹیل

جوائنٹ ڈائرکٹر (پروڈکشن): ڈی کے سی ہردے ناتھ

آجکل کے مشمولات سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

فی شمارہ: 22 روپے

رجسٹرڈ ڈاک سے سالانہ: 434 روپے

دو سال: 838 روپے تین سال: 1222 روپے

خریداری واشتہار کے لیے منی آرڈر، ڈرافٹ اور پوسٹل آرڈر ADG, Publications Division کے نام اس پتہ پر بھیجیں:

Editor (Business)

Publications Division

7th Floor, Soochna Bhawan, CGO Complex, Lodhi Road, New Delhi-110003

فون نمبر: 011- 24367453

رسالے کی عدم دستیابی سے متعلق شکایتیں شعبہ کو مندرجہ ذیل آئی ڈی پر میل کریں

pdjucir@gmail.com

مضامین/تخلیقات سے متعلق رابطے کا پتہ:

Editor Ajkal (Urdu)

Publications Division 601-A Soochna Bhawan

CGO Complex, Lodhi Road, New Delhi-110003

e-mail: ajkalurdu@gmail.com

website: www.publicationsdivision.nic.in

@DPD_India @dpd_India

@publicationsdivision

ترتیب

ملاحظات : آزادی کے 75 برس حسن ضیاء 4

مضامین
آزادی کے 75 برس

اردو صحافت اور ہندوستانی جنگ آزادی ڈاکٹر اسعد فیصل فاروقی 5

تحریک آزادی اور اردو شاعری ڈاکٹر رئیس فاطمہ 12

اردو شاعری میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے عناصر ڈاکٹر راجے مالوی 16

ہندوستانی تہذیب وتمدن: 'کتاب الہند'..... ڈاکٹر سعید احمد 20

گوشہ زیب غوری

زیب غوری: منفرد لہجے کا شاعر ضیا فاروقی 23

زیب غوری: زرد زرخیز کے آئینہ میں شعیب نظام 25

فلمی دنیا

شکیل بدایونی انیس امروہوی 28

افسانے

عالیشان ویران مکانات عبدالغنی شیخ 31

پیشنٹ نمبر گیارہ ڈاکٹر مشتاق انجم 35

عدت گھر شیریں نیازی 38

حسرتوں کی جھریاں سلمان عبدالصمد 40

منظومات

یہ ہے میرا ہندوستان زبیر رضوی 43

متین اچل پوری، ڈاکٹر رؤف خیر (بیاد گوپی چند نارنگ) 44

مناظر حسین شاہین، اصغر شمیم، فہیم اختر 45

تبصرے

مبصر 47

سہ ماہی انتساب عالمی/سیفی سرونجی عابد انور

لاوا/ارشد منیم ڈاکٹر کہکشاں عرفان

رنگارنگ اردو شاعری/ٹی این راز سید عینین علی حق

بنگال میں اردو ناولٹ نگاری/نصراللہ نصر ڈاکٹر عظیم اللہ ہاشمی

در معنی/ڈاکٹر شرف الدین ساحل محمد اسد اللہ

مضامین محبوب رڈاکٹر محمد احتشام الدین خرم سید مظہر حسین قادری

اختتام 1442ھ/کوثر امروہوی عبدالواسع

وفیات 51

مراسلات 54

آزادی کے 75 برس

سال 2022 ان معنوں میں بہت اہم ہے کہ ہندوستان اس سال آزادی کے 75 برس کا جشن منا رہا ہے۔

سیاسی آزادی کے تصور میں فرد کے لیے ظلم وزیادتی سے آزادی اور معاشی و اقتصادی مجبوری جیسے جبر سے آزادی شامل ہے۔ آزادی کے تصور میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان بندشوں سے اس طرح آزاد ہو کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بھرپور زندگی جی سکے۔ شہری کی فکر وعمل کی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ بھی آزادی کے جزو ہیں۔ آزادی کے لیے جمہوری نظام کو ضروری قرار دیا گیا۔ یونان میں جس طرح براہ راست جمہوریت تھی یعنی سارا شہر ایک جگہ جمع ہو کر اتفاق رائے یا اکثریت کی رائے کی بنیاد پر فیصلے کیا کرتا تھا، وہ نظام آبادی بڑھنے اور خواتین کو بھی حق رائے دہی دیے جیسی تبدیلیوں کے ساتھ عملاً ممکن نہیں رہا۔ بڑی تعداد میں غلام بھی اس نظام میں شامل نہیں ہو پاتے تھے۔ دنیا بھر میں غلامی کی لعنت کے خاتمے کے بعد یہ لوگ بھی جمہوری نظام میں شامل ہو گئے۔ اسی لیے براہ راست جمہوریت کے اس قدیم نظام کی جگہ بالواسطہ جمہوریت نے لی اور نمائندگان پر مبنی جمہوریت آئی، جہاں عوام فیصلہ سازی کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔

جمہوری نظام کو آزادی برقرار رکھنے کا سب سے اہم ذریعہ مانا گیا ہے۔ ہر چند کہ جمہوریت میں بھی اکثر آزادی کو سلب کرنے کی شکایتیں رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی بھی نظریہ یا تصور، ضروری نہیں کہ اپنی نظری اور عملی شکلوں میں یکسانیت کا حامل ہو۔ کوئی بھی نظام چلانے والے انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان اپنے تمام تر دعووں کے باوجود اکثر اپنی پسند، ناپسند اور تعصبات وترجیحات کا شکار ہو جاتا ہے۔ سیاسیات کے مفکرین نے جمہوری نظام میں بھی خامیاں گنائی ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نظام کا کوئی بہتر متبادل علم سیاسیات کے پاس نہیں ہے لہٰذا یہ نظام، اپنی بعض کمزوریوں کے باوجود ہمیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کی ضمانت دیتا ہے۔

آزادی کے 75 برسوں میں ہندوستان بے شمار مسائل اور معرکوں کا شکار رہا لیکن اس بات کو ساری دنیا نے تسلیم کیا کہ دیگر نو آزاد ملکوں کے برخلاف ہندوستان میں جمہوریت کی جڑیں گہری ہیں اور اس نے ایک ذمہ دار جمہوریت کے طور پر اقوام عالم میں اپنی پہچان بنائی ہے۔

فرد کی آزادی جتنی جمہوریت میں ممکن ہے اتنی دوسری جگہ ممکن نہیں ہے۔ جب ایک کی آزادی، دوسرے کی آزادی سے ٹکراتی ہے تو مسئلہ پیدا ہوتا ہے لیکن آزادی کی ضابطہ بندی اور توازن ہی جمہوری نظام کی کامیابی کی کلید ہوتا ہے۔ اس کام میں عدلیہ، انتظامیہ اور قانون سازیہ سبھی کا رول ہوتا ہے۔

آبادی کا زیادہ ہونا کسی ملک کے وسائل پر بوجھ بھی ڈالتا ہے۔ دوسری جانب یہ ہمیں قیمتی انسانی وسائل بھی فراہم کرتا ہے جن کا صحیح، بامقصد اور کارگر استعمال ہر شعبے میں ترقی میں مدد دیتا ہے۔ یہ انسانی وسائل اگر ہنرمند اور باصلاحیت ہیں تو اپنے ملک اور دنیا کے دیگر ملکوں کے لیے اثاثہ ثابت ہوتے ہیں۔ بالخصوص انفارمیشن ٹکنالوجی (آئی ٹی) کا شعبہ اس کی مثال ہے جہاں ہندوستانی ہنرمند افراد ملک اور بیرون ملک میں اپنی محنت سے کامیاب ہو رہے ہیں۔ آزادی کے 75ویں سال میں اسے ہم اہم کارناموں میں گنا سکتے ہیں۔ کارخانوں میں اشیا کی تیاری کے ساتھ ساتھ، آج دنیا نالج سوسائٹی کی جانب بڑھنا چاہتی ہے جہاں علم ومعلومات بھی پیداوار کا ایک وسیلہ ہو۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ سماج میں عزت حاصل کرنے کے لیے ہم ڈگریاں لے کر تعلیم یافتہ کہلانے لگیں۔ مستقبل میں بامقصد تعلیم اور ہنرمندی ہی کام آئے گی۔ ہندوستان اس طرف قدم بڑھا رہا ہے۔

☆

آزاد ہندوستان میں پیدا ہونے والی نسل کے لیے ان دشواریوں اور صعوبتوں کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے جو آزادی کی طویل جدوجہد کے دوران گزریں۔ بالخصوص 1857 کی تحریک کی ناکامی کے بعد جس طرح انگریزی حکومت کا عتاب نازل ہوا وہ دل ہلا دینے والی داستان ہے۔ اردو شعر وادب بھی ان واقعات کا چشم دید گواہ رہا ہے۔ منیر شکوہ آبادی نے اس عہد کے حالات کی منظر کشی اس طرح کی ہے:

روز ہوتا ہوں نئے شخص کے گھر میں روپوش
آج پھانسی کی خبر ہے تو اسیری کی کل

داغ دہلوی کا شہر آشوب 'فغان دہلی' 1857 میں دہلی کی بربادی پر نوحہ خواں ہے:

رہی نہ آدھی یہاں سنگ وخشت کی صورت
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت
فلک نے قہر وغضب تاک تاک کر ڈالا
تمام پردہ ناموس چاک کر ڈالا
یکایک ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا
غرضیکہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کر ڈالا

اردو شاعری نے جذبۂ حریت وآزادی کے شعلے روشن کیے اور جنگ آزادی کے ہراول دستے میں شامل رہی۔ بقول روش صدیقی:

جگا دو روح آدم کو جگا دینے کا وقت آیا
کیا صدیوں زمیں نے رقص سیاروں کے افسوں پر
بہت جھکتے رہے اہل زمیں دہلیز گردوں پر
غرور آسماں کا سر جھکا دینے کا وقت آیا

سکندر علی وجد نے کہا تھا:

اہل زنداں کو مبارک ہو فروغ صبح نو
قید ذلت سے نکلنے کا زمانہ آ گیا

ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں تمام فرقوں، طبقات، خطوں، تہذیبوں، زبانوں نے اپنا اپنا رول ادا کیا۔ جدوجہد آزادی میں اردو شعر وادب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آزادی ایک ایسی نعمت ہے جس کی تمام تر مسائل اور دشواریوں کے باوجود، ہر قیمت پر حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔

حسن ضیا

ڈاکٹر اسعد فیصل فاروقی

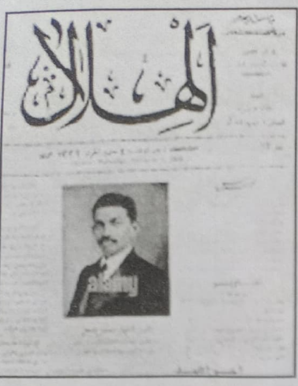

اردو صحافت اور ہندوستانی جنگ آزادی

ہماری جدید سیاسی وسماجی تاریخ کے متعدد پہلو ہیں۔ان میں سب سے خاص اور نمایاں وہ حصہ ہے جس کو ہم جدوجہد آزادی سے منسوب کرتے ہیں جس کے حصول کے لئے ہمارے ملک کے مختلف مذاہب کے پیروکاروں، مختلف قوموں، فرقوں، اور مختلف علاقوں کے لوگوں نے جان ومال کی بیش بہا قربانیاں پیش کیں اور ہندوستان کو برطانوی غلامی اور سامراجیت کی بیڑیوں سے نجات دلوائی۔ایک چیز جو اس قومی مقصد کے حصول میں حد سے زیادہ معاون ثابت ہوئی وہ اردو صحافت تھی۔ اردو صحافت نے جدوجہد آزادی کی تحریک کو عوامی سطح پر پروان چڑھانے اور اس کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا۔اردو صحافت کے وسیلے سے ہی لوگوں میں نہ صرف آزادی کا ایک قومی جذبہ پیدا ہوا بلکہ اس سے آزادی اور قومی شعور کے درست مفہوم سے بھی آگہی پیدا ہوئی۔اردو صحافت نے ہی عوام میں انگریزی حکومت کے خلاف محاذ بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کی ناانصافیوں اور ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا۔

ہندوستانی صحافت کی تحقیق کے مطابق اردو صحافت کا شمار بھی ہندوستان کی قدیم ترین صحافت میں ہوتا ہے۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ برصغیر میں مطبوعہ اردو صحافت کا آغاز 27مارچ 1822 کو کلکتہ سے اردو کے پہلے ہفت روزہ اخبار ''جام جہاں نما'' کی اشاعت کے ساتھ عمل میں آیا۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اردو صحافت نے آج دو صدیاں (1822-2022) مکمل کرلیں ہیں، جس کا جشن آج ہم سب اردو والے بڑے تزک واحتشام سے منا رہے ہیں۔''جام جہاں نما'' کے نام سے اردو کا یہ اولین اخبار ہری ہردت کی ملکیت اور منشی سدا سکھ رائے کی ادارت میں کلکتہ سے جاری ہوا تھا۔ہندوستانی صحافت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اردو صحافت کی پیش رو فارسی صحافت تھی، یعنی اردو صحافت، فارسی کی بنیاد پر کھڑی ہوئی ہے۔مغلیہ دور میں کیونکہ سرکاری زبان فارسی تھی اور اس وقت روزنامہ نویسی اور وقائع نویسی کا رواج فارسی میں ہی تھا۔جس کے اثرات مغلیہ دور کے خاتمہ کے بعد بھی سماج پر باقی رہے اور اردو زبان بھی جس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

پہلی جنگ آزادی اور اردو صحافت: اردو صحافت کو عام طور پر احتجاجی صحافت یعنی پروٹسٹ جرنلزم سے موسوم کیا جاتا ہے، اگر ہم اردو کی صحافتی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اردو صحافت نے ابتدا سے ہی نشیب وفراز دیکھے اور ہر طرح کی ناانصافی کے خلاف احتجاجی رویہ اختیار کیا۔1857 کی پہلی جنگ آزادی سے 1947 میں ملک کے آزاد ہونے تک اردو اخبارات، رسائل وجرائد نے ملک گیر پیمانے پر قومی بیداری کو پروان چڑھانے، جدوجہد آزادی کے فروغ دینے اور قومی اتحاد کو قائم کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور دیگر زبانوں کی صحافت سے وہ کسی طرح سے پیچھے نہیں رہی۔

1857 کی جنگ آزادی جس کو غدر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی سامراج کے خلاف متحدہ ہندوستانیوں کی کھلی بغاوت تھی۔دراصل یہ تحریک ہندوستانی آزادی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے جس میں اردو اخبارات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ہندوستانیوں کی یہ جرأت مندانہ متحدہ جدوجہد جس کو مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں ہندوستانی سپاہیوں اور عوام نے بڑی بہادری سے پہلی جنگ آزادی کے طور پر لڑا اور عوامی اتحاد کا جو جذبہ سامنے آیا وہ آج بھی تمام ہندوستانیوں میں جوش وولولہ پیدا کردیتا ہے۔یہ ضرور ہے کہ ابتدائی کامیابیوں کے بعد یہ جدوجہد ناکام ہوئی اور جلد ہی کمپنی بہادر نے دہلی پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا لیکن اس بغاوت نے انگریزوں کو ہندوستان سے متعلق اپنی پالیسی کو غور خوص کرنے اور اس میں تبدیلی لانے کے لئے بھی مجبور کیا۔

برطانوی سامراج کے خلاف 1857 کی جنگ آزادی کی تحریک میں اردو صحافیوں اور اردو صحافت نے جو نمایاں کردار ادا کیا اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اس بغاوت میں دہلی سے نکلنے والے جو اردو اخبارات اور ان کے صحافی پیش پیش رہے، ان میں دہلی سے اولین شہید صحافی مولوی محمد باقر کی ادارت میں نکلنے والا 'دہلی اردو اخبار'، سب سے اہم ہے۔1836 میں جاری ہونے والے 'دہلی اردو اخبار' نے کس طرح سے پہلی جنگ آزادی میں انقلابی کردار ادا کیا اس پر آیئے ذرا تفصیل سے روشنی ڈال لی جائے۔مولوی محمد باقر اردو کے ان ابتدائی صحافیوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے اخبار میں 1857 کی جنگ آزادی کی ابتدائی رپورٹیں اپنے خاص رپورٹر کے توسط سے مفصل اور جامع انداز میں شائع کیں۔جنگ آزادی کے آغاز میں انہوں نے معتدل رویہ اپنایا لیکن بعد میں انھوں نے کھل کر جنگ آزادی کی حمایت میں خبریں اور رپورٹیں شائع کیں اور باغیوں کی فتح پر خوشی کا اظہار کیا۔انہوں نے جنگ کے دوران مختلف علاقوں سے انگریزوں کے خلاف اٹھنے والی شورشوں کو اپنے اخبار میں جگہ دی۔جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ان کو ٹیلر کے مارنے میں شامل ہونے کے جرم میں سزا کے طور گولی ماردی گئی۔اس طرح وہ ہندوستان کے پہلے صحافی ہیں جنہوں نے وطن عزیز کے لئے شہادت پائی۔یہاں پر معروف صحافتی محقق نادر علی خاں مولوی باقر کی جنگ آزادی میں صحافتی خدمات پر روشنی

معرفت، شعبہ ترسیل عامہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
asadfaisalamu@gmail.com فون: 9412595891

ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موصوف نے نہ صرف شمشیر وتفنگ سے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا بلکہ اپنے زورقلم سے مضامین کے دریا بہادئے اور قوت استدلال اور شعلہ نوائی سے اس مردہ قوم کے ہر فرد کو مجاہد بنا کر میدان کارزار میں لے آئے۔ اگرچہ ابتدائی شماروں میں یہ آنچ دھیمی ہے لیکن شوخی استہزا اور اظہار مسرت سے گریز نہیں کیا۔''

(اردو صحافت کی تاریخ 1857-1822، نادر علی خاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1987، ص 101)

بغاوت کے واقعات کی رپورٹوں، خبروں کے علاوہ مولوی باقر محبان وطن کی ہمت کو بڑھانے کے لئے دہلی اردو اخبار میں تقریریں، قومی اپیلیں، نصیحتیں وغیرہ بھی شائع کرتے تھے نیز انگریزوں کے پروپگنڈے اور چیرہ دستیوں کے خلاف کلمہ حق بھی بلند کرتے تھے۔

جب دہلی کی جامع مسجد اور دیگر منتخبہ مقامات پر بڑے اہتمام سے کمپنی کی جانب سے ایک اشتہار چسپاں کرایا گیا جس کا مقصد مسلمانوں کو بغاوت سے دور رکھنا تھا اور جس میں یہ درج تھا کہ جو کارتوس استعمال کئے جاتے ہیں ان میں صرف گائے کی چربی ہوتی ہے اس لئے مسلمانوں کو اس بغاوت میں شامل نہیں ہونا چاہئے۔ مولوی باقر کو اس اشتعال انگیز تحریر کو پڑھ کر یہ محسوس ہوا کہ سرکار کمپنی اپنی نااہلی اور بدانتظامی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس طرح کے جواز پیش کر رہی ہے تا کہ آپسی اتحاد کو توڑا جاسکے اور ہندوستانیوں میں تفرقہ پیدا کیا جاسکے۔ مولوی باقر نے فوراً جملہ بہ جملہ اس اشتہار کا دندان شکن جواب بعنوان 'رد اشتہار نصارا یا ہوا خواہان نصارا' اپنے اخبار میں شائع کیا۔ مولوی باقر کے نزدیک اس اشتہار کے مضامین بے اصل محض فریب اور دھوکہ بازی پر مشتمل ہیں اور اس اشتہار کا مقصد صرف معصوم اور ناواقف عوام کو بہکانے اور پھسلانے کے لئے جعل سازیاں کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس لئے ہر صاحب علم واستعداد ہندو اور مسلمان کو چاہئے کہ اپنی تحریر و تقریر سے ان دین اور دھرم کے دشمنوں کے دروغ ومکر اور جعل وفریب کو آشکارا کرے۔

مولوی محمد باقر ہندو اور مسلمان کے اتحاد کے لئے بھی فکر مند تھے۔ جب انہوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ اس دوران سرکار کمپنی بہادر کے کارندے، خیر خواہان اہل وطن کے درمیان مذہب کے نام پر اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے بھرپور پروپگنڈا کر رہے ہیں تا کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اس اتحاد کو توڑا جاسکے جس نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اجتماعی فکر پیدا کی ہے۔ جس سے حالات کو درہم برہم اور منتشر کیا جاسکے اور بدنظمی کا دور دورا ہوسکے، تو انہوں نے واضح طور پر اس کی طرف ہندوستانیوں کی توجہ دلائی کہ وہ آپسی اختلاف بھلا کر اس جدوجہد آزادی میں وطن کی خیر خواہی کے لئے حصہ لیں، 14 جون 1857 کو ''نقل نصیحت'' کے عنوان سے ایک طویل نوٹ میں انہوں نے ہندو و مسلمانوں کو انگریزوں کے پروپگنڈے سے بچنے کی نصیحت کی نیز انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر کھڑے ہونے کا مشورہ دیا، وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں قوموں کو اپنے مذہبی اختلافات کو بھلانے اور ایک ساتھ آنے کے لئے گذارش کرتے ہیں تا کہ انگریزوں کو اس ملک سے نکالا جاسکے اور یہ جنگ کامیابی سے ہمکنار ہو۔ وہ ہندو مسلمان سے مخاطب ہوتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دھرم (کے پیرو) اپنے دھرم کے بچانے کو اپنی طرح پر اس حالت کو کر پانز نکار جوتی سروپ کے تصور کریں کہ ہندو مسلمان کے عزم وایمان کی بات ہے۔ بہر کیف اس دور اور اس زمانہ میں اس ملک کے مختلف مذہب والوں کو اپنی مخالفت دینی کا بھی خرخشہ نہیں چاہئے اور ایسا ذکر آپس میں اس وقت لانا نہیں چاہئے کیونکہ ان کے آپس میں ایک دوسرے لے دھرم وایمان کا کوئی معترض نہیں ہے، سب پر ظاہر ہے کہ ہمارے حضرت سلطان ذی شان کی سلطنت میں ہندو و مسلمان اور کسی مختلف المذہب کی اذیت رسانی اور مجبور کرنا کسی کا کسی نے نہ سنا ہوگا بلکہ از عہد حضرت تیمور جنت مکان الی الآن سب خورد و کلاں امن وامان سے بے تعرض کسی ایسے قسم کے جبر کے بسر کرتے رہے اور قریب سو برس کے حکومت اس گروہ (انگریزوں) نے کی کہ یہ کوتک اختیار کئے کہ ہندو مسلمان کے دھرم ایمان کھولنے اور مجبور کرنے لگے۔ علاوہ اس کے جہاں سلطنت کا زوال پاؤ گے تنازعات مذہبی رعایا کو پاؤ گے جس کا نتیجہ خاص ایسے مدبرین بافرہنگ کو بھی حاصل ہوا علی الخصوص جب کہ خاص فوج بھی مختلف المذاہب ہو۔ یاد رہے کہ جو ایسے وقت میں چوکا اور تغافل کیا اور دھوکے میں آیا اور نصارا کی ترغیب اور لجاجت اور وعدہ وعید یا رعب سابق پر فریفتہ ہوگیا تو انجام کو دین و دنیا میں پشیمانی حاصل کرے گا اور پھر پچھتانا کچھ کام نہ آوے گا سب آخر کو سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں گے۔''

(نقل نصیحت، اخبار لظفر، دہلی، مورخہ 14 ان 1857، بحوالہ 1857 کے اخبار و دستاویزیں مرتبہ عتیق صدیقی، 1966، ص 116)

دہلی سے ہی شائع ہونے والے دو دیگر اخبارات ''صادق الاخبار'' جس کے مدیر جمیل الدین ہجر تھے، اور ''پیام آزادی'' جو بہادر شاہ کے پوتے بیدار بخت کی مشاورت اور منشی عظیم اللہ کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا نے بھی پہلی جنگ آزادی میں کلیدی کردار ادا کیا اور اعلانیہ طور پر مجاہدین کا ساتھ دیا۔ ''صادق الاخبار'' نے 35 جید علمائے دین کا فتویٰ کو بھی شائع کیا اور اس نے کمپنی کے خلاف اس جنگ کو جہاد سے تشبیہ دی۔ اسی طرح ''پیام آزادی'' نے بہادر شاہ ظفر کا اعلان آزادی شائع کیا۔ یہ اعلان ملاحظہ ہو:

''ہندوستان کے ہندوؤ اور مسلمانو اٹھو۔ بھائیو اٹھو خدا نے انسان کو جتنی برکتیں دی ہیں، ان میں سب زیادہ قیمتی برکت آزادی کی ہے۔ وہ ظالم فرنگی جس نے دھوکہ سے ہم سے یہ برکت چھین لی ہے، کیا ہمیشہ کے لیے ہمیں اس سے محروم رکھ سکے گا۔ فرنگیوں نے اتنے ظلم کئے ہیں کہ ان کے گناہوں کا پیالہ لبریز ہوچکا ہے۔ خدا اب نہیں چاہتا کہ تم خاموش رہو۔ کیونکہ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالنے کی خواہش پیدا کردی ہے اور خدا کے فضل سے تم لوگوں کی بہادری سے جلد ہی انگریزوں کو اتنی کامل شکست ملے گی کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ان کا ذرا بھی نشان نہیں رہ جائے گا۔''

(بحوالہ اردو صحافت اور جنگ آزادی 1857، معصوم مرادآبادی، ص 145)

انگریزوں نے دہلی کے قبضہ کے بعد جہاں صادق الاخبار کے ایڈیٹر کو گرفتار کیا اور ان پر فرد جرم عائد کی وہیں پیام آزادی کے ایڈیٹر بیدار بخت کے جسم پر سور کی چربی ملا کر انہیں پھانسی دی۔ دہلی کے علاوہ لکھنؤ سے مولوی محمد یعقوب انصاری کی ادارت میں 25 جولائی 1856 میں جاری ہونے والا 'طلسم لکھنؤ' اور گھیر نارائن عیاش اور پنڈت بیج ناتھ کی ادارت میں 17 نومبر 1856 کو جاری ہونے والا 'سحر سامری' بھی جنگ

آزادی میں شامل رہا۔ جس نے کمپنی بہادر پر سخت نکتہ چینی کی اور اس کی ہندوستان مخالف پالیسیوں کو حدف تنقید بنایا۔ معروف صحافی محقق عتیق صدیقی کے بقول بریلی کے اخبار 'عمدۃ الاخبار'' نے بھی پہلی جنگ آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ جنگ چھڑتے ہی اس نے مجاہدین کا ساتھ دیا اور اپنا نام تبدیل کر کے ''فتح الاخبار' رکھ لیا۔ یہ اخبار روہیل کھنڈ کے انقلابی قائد خان بہادر خاں کا حامی تھا۔ جنگ آزادی کی حمایت میں خبریں چھاپنے کے الزام میں اس کا پریس ضبط ہوا۔ اسی طرح سے بدایوں سے نکلنے والا ''حبیب الاخبار'' بھی مجاہدین اور باغیوں کا حامی بن کر ابھرا جس کے پاداش میں اس کے ایڈیٹر کو سزا ہوئی اور اخبار کا پریس ضبط ہوا۔ پشاور سے شائع ہونے والا ''اخبار مرتضائی'' نے بھی جنگ آزادی کی حمایت میں اپنا کردار ادا کیا اور باغیوں کی حمایت میں خبریں شائع کرتا تھا۔ اس کے مدیر کو باغیانہ مواد کی اشاعت میں جیل میں قید کی صعوبتیں اٹھانی پڑیں اور اخبار پر پابندی لگادی گئی۔ سیالکوٹ سے چھپنے والا منشی دیوان چند کا اخبار ''چشمہ فیض'' نے بھی کمپنی کی اعلانیہ مخالفت کی۔ جنگ چھڑنے کے ساتھ اس نے انگریز مخالف جارحانہ لہجہ اختیار کیا اور آخر کار اخبار پر سنسر لاگو کیا گیا بعد میں اس اخبار کو لاہور منتقل کرنے کا حکم ہوا اور 27 جون 1857 کو یہ لاہور سے دوبارہ جاری ہوا۔ کلکتہ سے ''گلشن نوبہار'' عبدالقادر کی ملکیت اور ادارت میں جاری ہوا۔ اس اخبار نے کھل کر کمپنی بہادر کی مخالفت کی اور اودھ کے نواب کی برطرفی کے خلاف آواز بلند کی۔ یہ اخبار اگرچہ فارسی میں تھا لیکن اس کا ایک حصہ اردو میں بھی ہوتا تھا۔ اخبار لکھتا ہے:

''اس بغاوت کا جو بھی نتیجہ نکلے لیکن حق یہ ہے کہ دہلی کے (لڑنے) والوں کو ہمت وشجاعت رستم کا بیٹا اور سکندر وقت کہنا چاہئے۔ اے خدا! ہمارے دشمنوں کو نیست نابود اور ہمارے سلطان کی مدد کر۔''

(بحوالہ اردو صحافت اور جنگ آزادی 1857، معصوم مرادآبادی، ص 145)

معروف صحافی محقق جے نٹراجن اس اخبار کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایک دیگر اخبار 'گلشن نوبہار' کے پریس کو منافرت پھیلانے والا مضمون شائع کرنے کے سبب ضبط کرلیا گیا جس کے بعد اخبار کی اشاعت بند ہوگئی''۔

(جے، نٹراجن، ہسٹری آف انڈین جرنلزم، 1955، ص 80)

1857 کے بعد اردو صحافت کا رویہ اور جدوجہد آزادی:

1857 میں دیسی صحافت کے باغیانہ تیور اور انقلابی کردار کو دیکھتے ہوئے گورنر جنرل لارڈ کننگ نے گیگنگ ایکٹ جاری کیا جس کے تحت پریس کو لائسنس لینا ضروری ہوگیا۔ اس کے ساتھ حکومت کو یہ اختیار بھی حاصل ہوا کہ وہ کسی بھی اخبار کو سینسر کردے اور اس پر قدغن لگادے۔ اس سلسلے میں معروف صحافی محقق جے نٹراجن سرکاری ریکارڈ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''1853 کی سرکاری فہرست میں زیر اشاعت اخباروں کے 35 نام درج ہیں لیکن 1858 کی فہرست میں یہ تعداد صرف 12 رہ گئی۔ ان بارہ میں چھ پرانے اور چھ نئے تھے اور صرف ایک اخبار مسلمان کی ادارت میں نکل رہا تھا۔''

(جے، نٹراجن، ہسٹری آف انڈین جرنلزم، 1955، ص 64)

ان سرکاری رپورٹوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اردو اخبارات کے مالکوں، مدیروں اور صحافیوں کو ہر طرح کے نامساعد اور سخت حالات سے گزرنا پڑا۔ ان میں سے اکثر اخبارات حکومتی پابندیوں کا شکار ہوئے اور ان کے مدیروں اور مالکوں نے جیل میں کئی برسوں تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی۔ 1857 کے بعد ہندوستان کی حکومت کی باگ دوڑ کمپنی بہادر کی جگہ ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھوں میں آگئی۔ اب اردو اخبارات نے بہت محتاط انداز میں قدم بڑھایا۔ البتہ انہوں نے انگریزی حکومت کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں پر کی جا رہی ناانصافی پر وقتاً فوقتاً تنقیدی رویہ جاری رکھا۔ یہ تنقید کبھی کبھی بہت واضح ہوجاتی لیکن اس میں جارحانہ انداز نہیں ہوتا۔ 1857 کے بعد کے اخبارات کے مطالعہ سے یہ صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ اردو اخبارت نے معتدلانہ رخ اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں چند اہم اخبارات جنھوں نے اردو صحافت کے وسیلے سے نہ صرف ہندوستانی عوام میں ایک نئی روشنی پیدا کی بلکہ اردو صحافت کو بھی نئی سمت عطا کی ان میں منشی نولکشور کا ''اودھ اخبار''، سرسید کا ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ''، منشی محبوب عالم کا ''پیسہ اخبار'' شامل ہے جنھوں نے پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ایک نئے جذبہ کے تحت ہندوستانیوں میں قومی شعور اور سیاسی بصیرت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

1859 میں منشی نول کشور نے لکھنؤ سے ''اودھ اخبار'' جاری کیا۔ ''اودھ اخبار'' نے جارحانہ انداز کو اختیار نہ کرتے ہوتے ہوئے بڑے محتاط طریقے سے قدم بڑھایا۔ اخبار نے معتدل انداز میں انگریزوں کے نامناسب اقدام کی تنقید بھی کی اور ہندوستانی عوام کے مسائل کو بھی واضح انداز میں پیش کیا۔ کبھی کبھی اس کی تنقید میں شدت اختیار کرتی اور اخبار ارباب حکومت کے فیصلے پر سوال کرنے سے بھی نہیں گریز کرتا۔ اخبار نے چند انگریزی قوانین کی بھی نکتہ چینی کی۔ اس زمانے میں اگر کوئی عیسائی کسی دیگر مذہب کو اختیار کرتا تو اس کو سزا دی جاتی اور اگر کوئی ہندوستانی عیسائی ہوتا اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اخبار نے اس بے جا حکم پر کڑی تنقید کی۔ اودھ اخبار کے مدیروں میں پنڈت رتن ناتھ سرشار اور منشی نوبت رائے نظر اہم مقام رکھتے ہیں۔

اس دور کا ایک اہم ماہنامہ 'رسالہ بغاوت ہند' تھا۔ جس کی اشاعت اگرچہ 1859 میں شروع ہوئی مگر اس کے وسیلے سے ہمیں 1857 سے متعلق بعض اہم واقعات کی تفصیل ملتی ہے۔ اس رسالہ کے مالک ومدیر ڈاکٹر مکند لال تھے اور اس کی اشاعت منشی شیو نارائن آرام کے مطبع میں ہوتی تھی۔ اس میں 1857 کے حالات قسط وار شائع کئے جاتے تھے نیز محتاط انداز میں قومی معاملات پر گفتگو کی جاتی۔

1860 میں منشی اجودھیا پرشاد نے اجمیر سے ایک ہفت روزہ 'خیر خواہ خلق'' کے نام سے جاری کیا۔ یہ اخبار بھی ہندوستانیوں کے حق میں برابر آواز اٹھاتا رہا۔ اس ہفت روزہ نے ہندوستانیوں کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہ ہونے کے خلاف سخت احتجاج درج کیا نیز انگریز مشنریوں کی مذہب تبدیل کرانے کی کوششوں کے خلاف بھی کڑا رخ اختیار کیا۔

1866 میں سرسید نے علی گڑھ سے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جاری کیا۔ اس اخبار نے ہندوستانیوں میں سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور یہ جدید معلومات اور علوم وفنون کی ترسیل کا وسیلہ بنا۔ اس طرح اس نے ہندوستانی عوام میں روشن خیالی کا جذبہ پیدا کیا۔ اس کا مقصد عوامی سطح پر تعلیم کو فروغ دینا تھا۔ اس اخبار کا ماٹو جو سرورق پر درج ہوتا تھا۔

''جائز رکھنا چھاپے کی آزادی کا، ہے کام ایک دانا گورنمنٹ کا اور برقرار رکھنا اس آزادی کا، ہے کام ایک آزاد رعیت کا۔''

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نے قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے اور ہندوستان کی ثقافت کو فروغ دینے میں نہ صرف مرکزی کردار ادا کیا بلکہ اس نے فرنگی حکام کی متکبرانہ اور نسل پرستانہ ذہنیت کو بھی بے نقاب کیا۔ اور انگریزی افسران کے ہندوستانیوں کے ساتھ نسلی امتیازات کے خلاف بھی سخت ردعمل ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ اس اخبار نے ہندوستان کے عوام کے اندر جمہوریت کے بنیادی اصولوں نیز شہریوں کو ان کے فرائض کے بارے میں بھی آگہی پیدا کی۔ 31 مارچ 1876 کے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اداریہ کا عنوان ہے 'بعض سرکاری انتظاموں سے رعایا کیوں متنفر ہیں'، میں سرسید لکھتے ہیں:

"اب ہم ان اسباب کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو خاص انتظام ہی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک ان ملازمتوں کی کج اخلاقی اور ظلم و زیادتی اور اگر ہم سچ کہیں تو بعض اوقات ان کی بدمعاشی اس بات کی باعث ہے کہ ہندوستانی ان کی صورت دیکھنے اور ان ان کے پاس جانے سے اپنا مرنا بہتر جانتے ہیں۔ ہندوستان کی قوم بہت زیادہ عادی نرمی اور خوش اخلاقی کی ہے اور یہ بات سرکاری سررشتوں میں نام کی بھی نہیں ہے۔ یہ بات علی العموم معلوم ہے کہ جو انگریز بڑے ڈاکٹر ہوتے ہیں وہ تو ہرگز غریب رعایا کا علاج کرنا پسند نہیں کرتے اور وہ مجبور ہیں کہ کسی کے ساتھ خوش اخلاقی نہیں کر سکتے، کیونکہ بداخلاقی اس قدر ان کی جبلت میں بیٹھ گئی ہے کہ اب خوش اخلاقی کو وہ بہ تصنع کرنا چاہتے ہیں اور نہیں ہو سکتی۔"

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، 31 مارچ 1876)

اس کے علاوہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کئی تحریریں شائع کیں جن میں انگریز افسران کا ہندوستانیوں سے کئے جانے والے تعصب کو اجاگر کیا گیا تھا۔ چند کے عناوین قارئین کی نظر ہیں: ہندوستانیوں اور انگریزوں کی راہ و رسم (4 مئی 1866)، زبردستی کا سلام (5 مئی 1876)، "تہذیبی اور بے تہذیبی" (24 دسمبر 1875) "ہندوستانیوں کا خون"۔ (15 ستمبر 1876)

1868 میں خواجہ یوسف علی نے "آگرہ اخبار" آگرہ سے جاری کیا۔ خواجہ یوسف علی انگریزوں کے سخت مخالف اور ملک کی آزادی کے علم بردار تھے۔ ان کے اخبار کے سرورق پر یہ تحریر نمایاں رہتی "ہمارا مقصد ہندوستان میں آزادی پھیلانا ہے"۔ یہ آزاد پسند اخبار تھا اور گورنمنٹ کی پالیسیوں پر بھی معتدل انداز میں نکتہ چینی کرتا تھا۔ آگرہ اخبار کے 18 دسمبر 1868 کے شمارے کے اداریہ میں دیسی لوگوں کے ساتھ انگریز حکومت کی ناانصافی کے خلاف لکھتے ہیں:

"ہائے رے تعصب جس نے ہماری دانا بینا گورنمنٹ کے خیالات کو پلٹ دیا۔ گورنمنٹ کو گوروں کی خاطرداری کس قدر منظور ہے۔ گورنمنٹ گوروں کے مزاج سے مل گئی لیکن افسوس یہ کہ بہت سے دیسی گوروں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے۔ اکثروں نے گاجر مولی کی طرح کاٹا مگر کوئی سزا نہیں۔ اکثر عدالت سے بری ہوئے۔ ہائے افسوس، ہائے افسوس! ہندوستان کب تک اپنی تاریکی و جہالت سے سر اٹھائے گا۔"

(بحوالہ قومی محاذ آزادی اور یوپی کے مسلمان صحافی، ص 74)

1872 میں منشی محمد شریف نے بنگلور سے "منشور محمدی" جاری کیا۔ منشی صاحب انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے۔ یہ اخبار اس وقت جتنی بھی حکومت کے خلاف تحریکیں چل رہی تھیں ان کی حمایت کرتا تھا۔ "قیصر الاخبار" منشی سراج الدین احمد خاں نے جنوری 1877 میں الہ آباد سے جاری کیا۔ یہ اخبار بھی انگریز حکام کے خلاف خوب لکھتا۔ 1877 میں لکھنؤ سے منشی سجاد حسین کی ادارت میں 'اودھ پنچ' جاری ہوا۔ 'اودھ پنچ' کا انداز ظریفانہ اور طنزیہ تھا اور یہ عوامی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار بھی کھل کر کرتا تھا۔ اس اخبار نے برطانوی حکومت کے استبدادی رویہ کی سخت مخالفت کی اور یہ سرسید اور ان کی تعلیمی تحریک کا بھی ناقد تھا۔ یہ ہندو مسلم اتحاد کا کوشاں اور کانگریس کا حامی تھا۔ اودھ پنچ کی امتیازی خصوصیت اس کے تنقیدی کارٹون تھے۔ اس معنی میں وہ اردو کا پہلا اخبار تھا جس نے اپنے مخالفین پر تیکھے حملے کے لئے کارٹونوں کو ٹول کے طور پر استعمال کیا۔ 1883 میں مولوی احمد حسن شوکت نے میرٹھ سے 'شحنۂ ہند' جاری کیا۔ یہ اخبار نڈر ہو کر آزادی ہند کی تحریک کی حمایت کرتا تھا۔ اس اخبار نے کانگریس کی حمایت میں مضامین شائع کئے اور ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کو مقدم تصور کیا۔

1887 میں منشی محبوب عالم نے لاہور سے "پیسہ اخبار" جاری کیا۔ یہ ایک معتدل اخبار تھا۔ لیکن اس اخبار نے قومی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس اخبار کی نظر حکومت کے فیصلوں پر رہتی اور یہ عوام مخالف فیصلوں پر انگریزوں کی نکتہ چینی بھی کرتا تھا۔ یہ اخبار علی گڑھ تحریک کی حمایت کرتا تھا۔ اس اخبار نے بہت سے قومی صحافیوں کی تربیت بھی کی جو آگے چل کر نامور صحافی بنے۔

نئی صدی کی آمد اردو صحافت اور جنگ آزادی:

بیسویں صدی آتے آتے ایک بار پھر سے حکومت کے خلاف قومی تحریک میں شدت پیدا ہوئی اور اردو اخبارات اور رسائل نے آزادی کی تحریک کو پروان چڑھانے میں ہر طرح سے حمایت کی۔ مسلم لیگ کا قیام، تقسیم بنگال، مانٹو مارلے رفارم، کانپور مسجد واقعہ، ہوم رول لیگ اور خلافت تحریک، ترکی سلطنت کی تباہی، پہلی عالمی جنگ، جلیاں والا باغ جیسے لاتعداد قومی اور بین الاقوامی سیاسی واقعات نے ہندوستانی تحریک آزادی کو ایک نئی سمت عطا کی۔ اردو صحافت کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے 1901 تا 1947 کا زمانہ دراصل جدوجہد آزادی سے عبارت ہے، یہ دور اردو صحافت کا سنہری دور تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستان میں آزادی کے لئے عوامی تحریک یعنی ماس موومینٹ کا آغاز ہوا تمام ہندوستانی ان میں ہندو ہوں یا مسلمان، عوام ہوں یا خواص، کسان ہوں یا زمیندار، امیر ہوں یا غریب تمام لوگوں نے ہندوستانی آزادی کے لئے سرگرمی دکھائی اور جدوجہد آزادی میں پیش پیش رہے۔ اس زمانے میں اردو صحافت بھی شدت سے متاثر ہوئی اور اس میں ایک بار پھر سے انقلابی رجحان پیدا ہوا اور نئے نئے اخبار اور رسائل جاری ہوئے۔ ایسے مدیروں کی ایک طویل فہرست موجود ہے جنہوں نے ہندوستانی قوم پرستی اور تحریک آزادی کے لئے کئی اخبار جاری کئے اور کئی کئی بار ان کے پریس اور اخبارات ضبط ہوئے اور ان کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کریں۔

لیکن اس دور میں صحیح معنوں میں قومی تحریک کو اس وقت جلا ملی جب اردو صحافت نے حکومت کے خلاف سخت باغیانہ تیور اختیار کیا۔ اس کا آغاز محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ کے ایک طالب علم کے سر جاتا ہے جس نے حکومت کی ناانصافی کے خلاف مزاحمتی رویہ اختیار کیا اور انگریزوں کے استبدادی رویہ کے خلاف سب سے پہلے بگل بجایا۔ یہ اور

کوئی نہیں علی گڑھ کا مایہ ناز نوجوان طالب علم حسرت موہانی تھے جنھوں نے علی گڑھ سے ایک سیاسی و ادبی ماہنامہ ''اردوئے معلّیٰ'' جاری کیا اور حکومت کے خلاف بانگ دہل آواز بلند کی۔ 'اردوئے معلّیٰ' ادبی اور سیاسی دونوں اعتبار سے ایک بے مثال رسالہ تھا۔ حسرت نے اس رسالہ کے ذریعہ ہندوستان کے سوتے ہوئے لوگوں کو جگانے کا کام کیا اور ان کے سیاسی شعور کو بالیدگی عطا کی۔ اس رسالہ کو بہت جلد عوامی سطح پر شہرت حاصل ہو گئی۔ ہندوستان کے مفلوک الحال عوام کو غلامی سے نجات دلانے اور انگریزوں کے ظلم و ستم سے آزاد کرانے میں حسرت موہانی اور ان کے اس رسالے نے مرکزی رول ادا کیا۔ انہوں نے اپنے اس پرچہ کے وسیلے سے سودیسی تحریک کو پروان چڑھانے میں بھی سرگرم کردار ادا کیا۔ اس رسالہ کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے حکومت نے تین بار اس پر پابندی لگائی اور کئی بار ان کو جیل کی صعوبتوں سے بھی گزرنا پڑا۔ جب ان کے کچھ دوستوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ مصلحت کو اختیار کرتے ہوئے کانگریس کے نرم گوشے کی پالیسی اختیار کریں یا پھر مسلم لیگ کے ہمنوا بن جائیں۔ حسرت جیسے انقلابی صحافی کو یہ کہاں منظور ہوتا، وہ اردوئے معلّیٰ میں لکھتے ہیں:

''ہم پر ان تمام نیک مشوروں اور مصلحت کوش صلاحوں کا شکر یہ فرض ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں شامل ایک بدترین گناہ ہے جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کے دل میں ارادہ نہیں پیدا ہو سکتا۔''

(اردوئے معلّیٰ، نومبر 1909)

حسرت موہانی نے فروری۔ مارچ 1908 میں ''اردوئے معلّیٰ'' کا مصطفیٰ کمال نمبر شائع کیا۔ اس میں ایک مضمون 'مصر میں انگریزوں کی پالیسی' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مضمون پر اس کے لکھنے والے کا نام درج نہیں تھا۔ اس مضمون میں انگریزوں کی پالیسیوں اور سازشوں کی کھل کر مذمت کی گئی تھی۔ حکومت نے اس مضمون کو انگریز حکومت کے خلاف بغاوت تصور کیا و رحسرت پر دفعہ 124 کے تحت مقدمہ چلایا گیا لیکن حسرت نے اصل مضمون نگار کا نام نہیں بتایا اور اس کی تمام تر ذمہ داری خود لے لی چنانچہ انہیں دو برس کی قید سنائی گئی اور پانچ سو روپے جرمانہ عائد کیا۔ حسرت کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ جرمانہ ادا کر سکتے تھے اس وجہ سے حکومت نے ان کی گرانقدر کتابوں کو نیلام کرا دیا اور ان کا پریس ضبط کر لیا گیا۔ 1909 میں جیل سے رہا ہو کر انہوں نے ایک دستی پریس لگا کر اردوئے معلّیٰ کو پھر سے جاری کیا۔ ''اردوئے معلّیٰ'' کا دوسرا دور 1909 سے اپریل 1913 تک رہا اور تیسرا دور جنوری 1925 سے مارچ 1945 تک رہا۔ اردوئے معلّیٰ میں شائع چند مضامین کے عناوین ہیں: مسلمان، نیشنل کانگریس اور پالیٹکل اگیٹیشن، نیشنل کانگریس کا اکیسواں اجلاس، طالب علم اور پالٹکس، سوشلزم اور ابوالکلام آزاد، چینی مسلمان اور کمیونسٹ اقتدار، سوشلزم کیا چاہتا ہے، اسلام اور سوشلزم، پنڈت نہرو اور سوشلزم۔ حسرت نے اس کے علاوہ 1928 میں کانپور سے ایک سیاسی قومی اخبار ''مستقل'' بھی جاری کیا۔ جس کا مقصد آزادی کی تحریک کے حق میں اور انگریز حکومت کی ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا تھا۔

اب اردو صحافت نے تیزی کے ساتھ ہندوستان کے ہر علاقے میں اپنے پیر پھیلانے شروع کر دئے تھے اور ہر پروونس سے قومی جدوجہد آزادی میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تمام صوبوں سے اردو اخبارات اور رسائل کی بڑی تعداد جاری ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے شہروں، قصبوں سے بھی قومی رسائل اور اخبارات کا اجرا عمل میں آیا۔ ان رسائل اور اخبارات نے نہ صرف عوامی سطح پر صاف ستھرا ادبی ذوق پیدا کیا بلکہ آزادی وطن کے لئے بے مثال جدوجہد بھی پیش کی۔ پریس کے قوانین کو سخت سے سخت بنایا گیا، اخبارات و رسائل کو سینسر کیا گیا، پابندی لگائی گئی، پریس ضبط کئے گئے اور ان کے مدیروں کو بار بار جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن ان تمام پابندیوں کے باوجود اردو صحافت نے اپنا حق پرستانہ کام جاری رکھا۔

لاہور سے 1907 میں بشن سہائے آزاد کی ادارت میں جاری ہونے والا رسالہ 'آزاد' ایک سیاسی قومی ماہنامہ تھا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی: '' آزاد رہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل''۔ اس اخبار نے قومی شعور کو بیدار کرنے، قومی یکجہتی کو قائم کرنے اور سیاسی سوچ کو پروان چڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

پنجاب کے جن اخبارات نے قومی جنگ آزادی میں اہم کردار ادا کیا ان میں مولانا ظفر علی خان کا ''زمیندار'' ایک اہم انقلابی اخبار تھا۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنی تحریروں اور اپنی شاعری سے پورے ہندوستان میں قومی جوش بھر دیا۔ نثر اور نظم دونوں میں خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ ایم اے او کالج، علی گڑھ کے طالب علم تھے علی گڑھ سے ہی صحافت کی جانب راغب ہوئے، حیدرآباد دکن سے ''افسانہ'' اور پھر ''دکن ریویو'' جاری کیا بعد میں اپنے وطن پنجاب منتقل ہو گئے اور ایک سچے محب وطن کی طرح ہندوستان کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے اپنے والد منشی سراج الدین کے انتقال کے بعد 1909 میں ''زمیندار'' کی ادارت سنبھالی اور اس کو اپنے وطن کرم آباد سے لاہور لے آئے۔ اور اپنے اس اخبار کے وسیلے سے کسانوں، غریب اور مفلوک الحال عوام کی آواز کو بلند کیا۔ انہوں نے 'زمیندار' میں انگریزوں کے ناپاک ارادوں کے خلاف سخت تنقیدی مضامین تحریر کئے۔ کئی بار جیل کی ہوا کھائی کئی بار ان کا اخبار ضبط ہوا لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور حکومت وقت کے استبدادی رویہ کے خلاف مستقل لکھتے رہے۔ ظفر علی خاں کا یہ قطعہ دیکھیں:

دل ضبط، زباں ضبط، فغاں ضبط، قلم ضبط
ایسے بھی ہوتے ہیں دنیا میں کہیں سامان ضبط
برطانیہ کا یہی شیوہ رہا گر کچھ اور
سن لو گے عزیزو، ہو گئے سب دیر و حرم ضبط

ہندوستانی جنگ آزادی کے صف اول کے انقلابی قائد مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کا نام بھی آتا ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی علی گڑھ کے طالب علم رہے تھے جنھوں نے خلافت تحریک کے ذریعہ ہندوستان کی تحریک آزادی میں نئی روح پھونکی۔ علی برادران نے صحافت کو آزادی کے حصول کا ہتھیار بنایا اور ہندوستان کو آزاد کرانے میں گاندھی جی کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے رہے اور اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے 1912 میں دہلی سے ''نقیب ہمدرد'' جاری کیا جو بعد میں ''ہمدرد'' کے نام سے تحریک آزادی کا ایک ایسا نقیب ثابت ہوا جس نے انگریزوں کے خلاف ہر محاذ پر ڈٹ کر لڑائی لڑی۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگریزی میں ''کامریڈ'' بھی جاری کیا۔ نومبر 1914 میں ''کامریڈ'' اور اگست 1915 میں ہمدرد دونوں پر حکومت کا عتاب نازل ہوا اور دونوں سے ضمانت طلب کی گئی اور آخر کار دونوں اخبار بند ہو گئے۔ دیگر قومی صحافیوں کی طرح مولانا محمد

علی کو اپنی سیاسی صحافتی سرگرمیوں کی وجہ سے کئی بار جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن یہ صعوبتیں ان کو کمزور نہ کرسکیں اور انہوں نے آخر وقت تک ہندوستان کی آزادی کی جنگ کو اسی قومی جذبہ کے تحت جاری رکھا۔ محمد علی کے 'ہمدرد' اور 'کامریڈ' دونوں اخباروں نے نوجوان صحافیوں کی تربیت کی جس میں متعدد نے صحافتی دنیا اور قومی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی طرح سے مولانا شوکت علی نے بمبئی سے خلافت جاری کیا۔ اس اخبار نے خلافت تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا محمد علی کا انتقال 4 جنوری 1931 کو لندن میں ہوا جب وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن میں تھے اور انہوں نے اسی کانفرنس میں ببانگ دہل برطانوی حکومت برطانیہ سے کہا کہ اگر وہ ہندوستان کی آزادی نہیں دیتے ہیں تو حکومت کو دو گز زمین میری قبر کے لئے دینا پڑے گی۔ ان کو یروشلم، فلسطین میں بیت المقدس کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔

ایک اور قد آور اور عظیم شخصیت جس نے اردو صحافت کے وسیلے سے جدوجہد آزادی کی لڑائی لڑی اور ملک کو آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا، وہ مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ مولانا آزاد ہندوستان تحریک آزادی کے وہ عظیم لیڈر ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی صحافت کا آغاز کلکتہ سے 1899 میں "نیرنگ خیال" کی ادارت سے کیا۔ 1900 میں "المصباح" جاری کیا، 1903 میں "لسان الصدق" کا اجرا کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے "الندوہ" (لکھنؤ) اور "وکیل" (امرتسر) کی بھی ادارت انجام دی۔ 1912 میں انہوں نے کلکتہ سے "الہلال" جاری، یہ ایک حریت پسند اخبار تھا جو ہندوستانی جدوجہد آزادی کا نقیب بن کر ابھرا۔ جس نے ہندوستانیوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور ملک کی آزادی کے لئے قربانی دینے کا حوصلہ دیا۔ انہوں نے اپنے اس اخبار کے وسیلے سے وطن پرستی کے پیغام کو تمام ہندوستانیوں تک پہنچانے کا کام کیا جس کا اثر عوامی سطح پر جلد ہی ظاہر ہونے لگا۔ 1914 میں "الہلال" پر حکومت کا عتاب نازل ہوا اور اس سے پہلے 2000 ہزار اور پھر 10000 ہزار روپیوں کی ضمانت طلب کی گئی۔ پہلی بار مولانا نے رقم جمع کرادی لیکن دوسری بار یہ رقم جمع نہ ہوئی اور اخبار بند ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد مولانا نے 1915 میں "البلاغ" کلکتہ سے ہی جاری جس کا مقصد بھی آزادی کا حصول تھا۔ لیکن 1916 میں مولانا آزاد کو شہر بدر کرکے چار برس کے لئے رانچی میں قید کردیا گیا۔ مولانا نے 1920 میں رانچی کی نظر بندی سے چھوٹ کر 1921 میں کلکتہ سے ہفتہ وار "پیام" جاری کیا مگر چھ مہینے کے اندر ہی "پیام" کو ضبط کرلیا گیا اور اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو گرفتار کرکے تین برس کے لئے جیل بھیج دیا گیا ساتھ ہی مولانا آزاد کو بھی گرفتار کیا گیا اور ان کو ایک برس کی سزا ہوئی۔

اردو کے ایک اہم صحافی جس نے اپنے قلم سے آزادی تحریک کے فروغ اور سیاسی بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا مولانا عبدالماجد دریابادی ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے 'سچ'، 'صدق' اور 'صدق جدید' کے نام سے اخبار جاری کئے اور قومی شعور کو جگانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا اداریتی کالم 'سچی باتیں' قومی مسائل پر آزادانہ رائے پیش کرتا۔ لکھنؤ سے حیات اللہ انصاری نے سب سے پہلے 'ہندوستان ویکلی' جاری کیا، جس کا مقصد متحدہ ہندوستان کے نظریہ اور سیکولر اقدار کو فروغ دینا تھا۔ 1945 پنڈٹ جواہر لال نہرو اور رفیع احمد قدوائی کی کوششوں سے قومی آواز کا اجراء کانگریس کے نقیب کے طور پر حیات اللہ انصاری کی ادارت میں انجام پایا۔ قومی آواز نے آزادی سے قبل اور بعد میں کانگریس کے نظریات کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور آزادی کے بعد بھی 2008 تک شائع ہوتا رہا۔

آئیے ذرا مختلف صوبوں میں اردو صحافت اور اردو صحافیوں نے کس طرح تحریک آزادی میں انقلابی کردار ادا کیا اس پر بھی روشنی ڈال لیتے ہیں۔ پنجاب سے نکلنے والے اہم اردو اخبارات اور رسائل جنہوں نے قومی تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہندوستانیوں میں قومی بیداری کی لہر پیدا کی۔ ان میں 'اخبار عام'، 'پیسہ اخبار'، 'وطن'، 'وکیل'، 'آزاد'، 'آفتاب'، 'بندے ماترم'، 'دیش'، 'انقلاب'، 'پرتاپ'، 'ملاپ'، 'زمیندار'، 'کسان'، 'تریاق' وغیرہ شامل تھے۔ ان اخبارات نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی اور قومی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا جن کی روشنی نے سامراجیت کے ایوان خانوں میں ہلچل پیدا کردی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اردو کا تعلق کسی ایک مذہب سے نہیں تھا اور اردو خاص و عام سب کی زبان تھی۔ پنجاب میں اردو کے اہم قومی صحافیوں میں ہندو، مسلمان اور سکھ سب کا تعاون شامل رہا ان میں لالہ لاجپت رائے، مولانا ظفر علی خاں، سردار اجیت سنگھ، صوفی انبا پرشاد، ضیاء الحق، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک لالہ پنڈی داس، لالہ دینا ناتھ، سید حیدر رضا، منشی بشن سہائے، مہاشہ کرشن، مہاشہ خوشحال، مولانا عبداللہ العمادی وغیرہ شامل تھے جنہوں نے قومی تحریک میں اپنی تحریروں اپنے مضامین اور اپنے تجزیوں سے قومی جنگ آزادی میں گراں قدر خدمات انجام دی۔

دہلی کے چند اہم تحریک آزادی کے اخباروں میں 'ریاست'، 'الجمعیۃ'، 'تیج'، 'وطن'، 'سوراجیہ' اور 'انصاری' وغیرہ اہمیت کے حامل تھے۔ 1924 میں دیوان سنگھ مفتون نے ایک قومی اخبار "ریاست" کے نام سے جاری کیا۔ انہوں نے حب الوطنی اور قوم پرستی سے پر اپنے اداریوں سے ملک بھر میں دھوم مچادی۔ وہ کئی بار اپنی تحریروں کی وجہ سے گرفتار ہوئے۔ دہلی کے اہم اردو صحافیوں میں قاری عباس حسین دہلوی، ہلال احمد زبیری، مولانا محمد عثمان فارقلیط بھی تھے، جنہوں نے اپنے قلم کی جولانیوں سے آزادی کی راہ ہموار کیں۔

بہار سے تحریک آزادی کے سلسلے میں جن اخبارات و رسائل نے عوامی جذبات کی نمائندگی کی اور آزادی ہند کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا ان میں 'اردو انڈین کرانیکل'، ہفت روزہ 'الپنچ' (بانکی پور)، 'اخبار بہار' (پٹنہ)، 'صدائے عام' (پٹنہ)، 'المبشر' (پٹنہ)، سہ روزہ 'پیغام' (پٹنہ)، سہ روزہ 'اتحاد' (پٹنہ)، ہفتہ وار 'دیہات' (پٹنہ)، پندرہ روزہ 'روشنی' (پٹنہ)، 'نقیب' (پھلواری شریف)، 'ساتھی' (پٹنہ) وغیرہ شامل رہے۔ بہار کے چند اہم مجاہد صحافیوں میں شیخ نور محمد، عبدالجبار حیدری، سلطان احمد، سید رضی حیدر، محمد مرغوب، سہیل عظیم آبادی اور عبدالقیوم انصاری بھی شامل تھے۔ یہاں پر بہار سے تعلق رکھنے والے عظیم علیگ مجاہد آزادی سید محمود کا نام بھی لینا چاہوں گا جنہوں نے کئی بار جیل کی سزا پائی۔ وہ آزادی سے قبل نہ صرف بہار کی سیاست میں متحرک رہے بلکہ بعد آزادی بھی انہوں نے قومی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے سخت الفاظ میں تقسیم ہند کے نظریہ کی تنقید کی۔ قومی تحریک میں مرکزی کردار ادا کرنے کی وجہ سے انہوں نے عملی طور پر صحافی کی حیثیت سید محمود نے فعال حصہ تو نہیں لیا لیکن انہوں نے کئی قومی اخبارات و رسائل کی سرپرستی کی۔ ان میں علی گڑھ کا 'مصنف'، پٹنہ کا 'روشنی' اور الہ آباد کا 'نئی زندگی' وغیرہ شامل ہے۔ یہ تمام اخبارات و رسائل قومی تحریک کے نمائندہ تھے۔

یونائیٹیڈ پرونس جس کو آزادی کے بعد اتر پردیش کا نام دیا گیا کہ مختلف اضلاع لکھنؤ، مرادآباد، الہ آباد، میرٹھ، آگرہ، علی گڑھ، بدایوں، بلند شہر، بریلی، بجنور، گورکھپور وغیرہ

سے بھی اردو میں اخبارات ورسائل بڑی تعداد جاری ہوئے جن کا مقصد ہندوستان کی آزادی اور انگریزی حکومت کے ظلم وتشدد کے خلاف آواز بلند کرنا تھا نیز عوامی سطح پر سیاسی اور قومی شعور کو پروان چڑھانا تھا۔ 1913 میں مولانا وحیدالدین سلیم کی ادارت میں لکھنؤ سے ''مسلم گزٹ'' جاری ہوا۔ جس نے قدامت پرستی کی جگہ آزادخیالی کو ترجیح دی اور تحریک آزادی میں اپنا فروغ دیا۔ علامہ شبلی نعمانی کی اس اخبار کو سرپرستی حاصل تھی۔ اس اخبار نے قومی مسائل پر انقلابی تحریریں شائع کیں جس کی وجہ حکومت نے اس کی ضمانت طلب کی۔ شبلی نعمانی بھی قومی معاملات سے متعلق اس اخبار میں لکھتے تھے۔ 1916 میں لکھنؤ سے ہی جالب دہلوی کی ادارت میں مشہور اخبار 'ہمدم' جاری ہوا۔ اس کا مقصد محبان وطن میں جذبۂ حریت کو فروغ دینا تھا۔ اس اخبار پر بھی کئی بار انگریز حکومت کا عتاب نازل ہوا۔ یکم مارچ 1919 میں مولانا فضل الرحمٰن کی ادارت اور نواب ذوالقدر جنگ کی ملکیت میں لکھنؤ سے ایک روزانہ اخبار 'اخوت' جاری ہوا۔ اس دوران مرادآباد سے ہفت روزہ 'مخبر عالم' اور پندرہ روزہ 'رہنما' (1918)، کانپور سے ماہنامہ 'زمانہ'، بدایوں سے ہفت روزہ 'ذوالقرنین'، میرٹھ سے ماہنامہ 'عصر جدید' (1903)، اور 'توحید' (1913)، علی گڑھ سے ہفت روزہ 'ہند'، بجنور سے روزنامہ 'مدینہ'، گورکھپور سے 'مشرق'، الہ آباد سے 'سوراج'، 'نئی روشنی' اور 'نئی زندگی' اور آگرہ سے 'ہمدرد' (1910) اور 'ایشیا' (1930) جاری ہوئے جنہوں نے سامراجیت کے خلاف آواز بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور قومی یکجہتی کو فروغ دیا۔ اتر پردیش کے چند اہم مجاہدین صحافیوں میں، مولوی غلام الثقلین، حسرت موہانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، سید جالب دہلوی، مولانا مظہرالدین شیرکوٹی، قاضی محمد عدیل عباسی، قاضی بدرالحسن جلالی، مولانا حامد الانصاری غازی، حیات اللہ انصاری، حافظ علی بہادر خاں، عبدالعلی عابد، ساغر نظامی، ضیاء الحسن فاروقی، واحد یار خاں، اشفاق حسین صدیقی، سید انیس الرحمٰن، محمد حسن قدوائی، انیس احمد عباسی وغیرہ شامل ہیں۔

بمبئی سے جن اہم اردو اخبارات ورسائل نے آزادی کے شعور کو پروان چڑھایا ان میں روزنامہ 'خلافت'، روزنامہ 'ہلال'، روزنامہ 'انقلاب' اور روزنامہ 'ہندوستان' اور روزنامہ 'اجمل' وغیرہ شامل تھے۔ یہ تمام اخبارات آزادی کے بعد بھی جاری رہے۔ روزنامہ 'خلافت'، مولانا شوکت علی نے جاری کیا تھا۔ 'ہلال' کانگریس کے لیڈر اور صحافی حافظ علی بہادر خاں کی ادارت میں جاری ہوا۔ اور 'ہندوستان' کے مالک و مدیر غلام احمد خاں آرزو تھے۔ بمبئی کی چند اہم اردو صحافی جنہوں نے جنگ آزادی میں اپنی تحریروں کے وسیلے سے قومی شعور کو بیدار کیا ان میں مولانا ناچندی، علامہ بدر جلالی، معین الدین حارث، حافظ علی بہادر، رئیس احمد جعفری وغیرہ شامل تھے۔

شمالی ہندوستان میں حیدرآباد سے 1935 میں معروف ادیب اور مجاہد آزادی قاضی عبدالغفار کی ادارت میں روزنامہ 'پیام' جاری کیا۔ 'پیام' نے اپنی بے باک ترجمانی سے حیدرآباد کی اردو صحافت میں ایک منفرد مقام بنایا۔ یہ وہ دور تھا جب حیدرآباد سیاسی طور پر بحران کا شکار تھا اور پیام نے جوش وجنوں کے اندھے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی اور قومی شعور اور قومی رجحانات کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قاضی عبدالغفار علی گڑھ کے طالب علم تھے انہوں نے اپنا صحافتی سفر مولانا محمد علی کے اخبار ہمدرد سے شروع کیا۔ پیام سے قبل وہ کلکتہ سے روزنامہ ''جمہور'' اور دہلی سے ''صباح'' جاری کر چکے تھے۔ ان دونوں اخباروں پر حکومت نے انقلابی اور قوم پرستانہ نظریات کو فروغ دینے کی وجہ سے قدغن لگا دیا تھا۔

غیر ممالک میں ہندوستانی تحریک آزادی کی سرگرمیوں میں اردو صحافت کا حصہ:

یہاں پر ایسے اردو اخبارات اور رسائل کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو وطن سے دور غیر ممالک میں مقیم مجاہدین آزادی نے جاری کئے۔ یہ وہ اخبارات تھے جنہوں نے مختلف ممالک چین، جاپان، جرمنی، فرانس، برطانیہ اور امریکہ میں ہندوستانی آزادی کے پروپگنڈے کی تشہیر کی اور انگریز حکومت کے استبدادی اور استعماری رویہ کے خلاف بانگ دہل آواز کو بلند کیا۔ ان میں ''سرکلر آزادی''، جس کو امریکہ میں مقیم ایک محب وطن رام ناتھ پوری نے جنوری 1908 میں جاری کیا۔ اس کا مقصد امریکہ میں مقیم ہندوستانیوں کو ان کے قومی حقوق کے بارے میں تعلیم دینا تھا۔ 1910 میں مولوی برکت اللہ بھوپالی نے جاپان سے ماہنامہ 'اسلامک فریٹرنٹی' جاری کیا جس کا مقصد مسلمانوں کو یہ ذہن نشین کرانا کہ ہندوستان مین برطانوی حکومت ایک لعنت ہے۔ حسرت موہانی نے اردوئے معلیٰ میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا اور برکت اللہ بھوپالی کے مضامین بھی شائع کئے۔ 1910 میں بنگال کے انقلابی لیڈر بپن چندر پال نے لندن سے 'سوراج' جاری کی۔ یہ ہندی اور بنگالی میں شائع ہوتا تھا۔ اس میں ایک حصہ اردو بھی شامل تھا۔ 1913 میں پہلی جنگ آزادی سے عین قبل کیلی فورنیا، امریکا سے لالہ ہردیال نے ہفت روزہ 'غدر' جاری کیا۔ لالہ ہردیال مولوی برکت اللہ کے ساتھیوں میں تھے اور ایک انقلابی رہنما تھے وہ برطانوی حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرنے کے حق میں تھے۔ انہوں نے غدر پارٹی کا قیام کیا اور اخبار غدر، غدر پارٹی کا ترجمان تھا۔ یہ ان تمام ممالک میں بھیجا جاتا جہاں جہاں ہندوستانی رہتے تھے ان میں برما، سیام، شنگھائی، ہانگ کانگ، ملایا، سنگاپور وغیرہ شامل تھے۔ یہ اخبار اردو سمیت کئی دیگر ہندوستانی زبانوں میں شائع ہوتا ان میں ہندی، بنگالی، گورمکھی، مراٹھی وغیرہ شامل تھی۔ اس کے اردو کے مدیر مولانا برکت اللہ بھوپالی تھے۔ اخبار کے اولین شمارے میں اخبار کے مقصد کو سوال وجواب کے انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

آپ کا نام کیا ہے؟ غدر

آپ کا کام کیا ہے؟ غدر

غدر کہاں ہوگا؟ ہندوستان میں

غدر کیوں ہوگا؟ کیونکہ لوگ اب برطانوی ظلم وستم کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔

1923 میں نیویارک سے علی گڑھ کے ایک مایہ ناز طالب علم، معروف صحافی اور ہندوستانی جدوجہد آزادی کے مجاہد سید حسین نے نیویارک سے اپنی جلاوطنی کے دوران ایک پندرہ روزہ اردو اخبار 'یادوطن' جاری کیا۔ اس اخبار کا مقصد گاندھی جی کے پیغام کو پھیلانا، امریکہ میں برطانوی پروپگنڈے کو زائل کرنا، ہندوستان میں ہونے والی جدوجہد آزادی کی سرگرمیوں کو امریکہ میں مقیم ہندوستانی آبادی سے واقف کرانا نیز امریکہ میں ہونے والی ہندوستانی آزادی کی سرگرمیوں کو پیش کرنا تھا۔ یہ اخبار ان تمام ملکوں میں بھیجا جاتا جہاں جہاں ہندوستانی لوگ مقیم تھے۔ 1925 میں مولانا برکت اللہ بھوپالی نے فرانس سے ایک ہفتہ وار اخبار 'الاصلاح' جاری کیا۔ لیکن حکومت برطانیہ کے دباؤ میں فرانسیسی حکومت بے بس نظر آئی اور اس نے نہ صرف اس رسالہ پر پابندی عائد کی بلکہ مولانا بھوپالی کو بھی ملک بدر کیا گیا وہ جلد ہی جرمنی پہنچ گئے جہاں سے انہوں نے 'الاصلاح' کو دوبارہ جاری کیا۔ اس کے پہلے شمارے میں ہی انہوں نے ایک مدلل اور جامع مضمون ہندوستان میں انگریز حکومت کی لوٹ کھسوٹ پر شائع کیا۔ اس رسالہ میں انہوں نے ہندوستانی طلبہ سے اپیل کی کہ وہ گاندھی جی کی قیادت میں کسانوں، مزدوروں اور بے نواؤں کے ساتھ اتفاق کر کے ایک آزادی ہندوستان لیگ قائم کریں اور سیاسی مسلک استقلال اور نام اور اقتصادی مسلک سوشلسٹ قرار دیں تو تھوڑی مدت میں مزدوروں کا فرقہ ہندوستان میں قوی ترین فرقہ بن سکتا۔

ان اخبارات ورسائل اخبارات کے علاوہ غیر ممالک سے شائع ہونے والے چند دیگر جرائد ہیں 1905 میں چین سے نکلنے والا 'العین' بھی شامل ہے جو اردو اور چینی زبان میں نکلتا تھا۔ یہ رسالہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں مضامین شائع کرتا۔ شیاماجی کرشن نے برطانوی سامراج کے خلاف لندن میں انڈیا ہوم سوسائٹی قائم کی اور اس کے تحت ایک اخبار ''انڈیا سوشلسٹ'' جاری کیا۔ اس میں بھی انگریزی کے ساتھ اردو کا حصہ بھی شامل رہتا تھا۔ کینڈا کا انقلابی اخبار ''ہندوستانی'' نے کینڈا میں ہندوستانی تحریک آزادی کی تشہیر میں حصہ لیا۔ یہ اخبار انگریزی، کینڈین اور اردو زبان میں شائع ہوتا تھا۔ فرانس سے مولانا برکت اللہ بھوپالی کے ساتھی، چودھری رحمت علی خاں نے 'انقلاب' جاری کیا۔ قسطنطنیہ سے مئی 1914 میں انقلابی اخبار ہفتہ وار 'جہان اسلام' جاری ہوا۔ جو عربی، ترکی اور اردو زبان میں شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کا اشتہار مولانا آزاد کے الہلال میں چھپتا رہا اور الہلال نے اس کو ہندوستان اور ترکی کے رشتہ اتحاد کا ایک اہم آرگن بتایا۔ ورندر ناتھ چٹو پادھیا مشہور قومی رہنما سروجنی نائیڈو کے بھائی نے فرانس سے 1914 میں ایک ہفت روزہ اخبار 'تلوار' جاری کیا۔ جس کا مقصد بھی بیرون ملک میں ہندوستان کی آزادی کے لئے سعی پیہم کرنا تھا۔

خواتین کی اردو صحافت اور جنگ آزادی:

ہماری تحریک آزادی میں اردو صحافت کے وسیلے سے قومی جدوجہد کو پروان چڑھانے میں صرف مردوں نے ہی نہیں مرکزی کردار ادا کیا، بلکہ خواتین بھی اس مقصد کے تئیں کسی طرح سے پیچھے نہیں رہیں اور انہوں نے بھی رسائل اور اخبارات کو جاری کر کے حصول آزادی میں اپنی سرگرمی دکھائی۔ اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ یہاں پر تحریک آزادی سے متعلق ایسے رسائل کا بھی تذکرہ کردیا جائے جن کے ادارتی فرائض خواتین کے ذمہ تھی۔ اس میں سے اولین اخبار ہفت روزہ ''ہند'' علی گڑھ سے بیگم خورشید خواجہ کی ادارت میں 1920 میں جاری ہوا۔ جس کا مقصد گاندھی جی کے اہنساء اور سودیشی کے پیغام کو فروغ دینا تھا نیز خواتین کے اندر سیاسی اور قومی شعور بیدار ہو۔ بیگم خورشید خواجہ معروف مجاہد آزادی عبدالمجید خواجہ کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسرا اخبار 'رہبر' کے نام سے بمبئی سے کلثوم سیانی کی ادارت میں 1941 میں جاری ہوا۔ اس کا مقصد بھی گاندھی جی کے پیغام کو ہندوستان کے قریہ قریہ میں پہنچانا اور عوامی سطح پر متحدہ آزاد ہندوستان کے لئے آواز بلند کرنا تھا۔ ایک اور رسالہ معروف مجاہدہ آزادی ہاجرہ بیگم (ڈاکٹر زیڈ اے احمد کی بیگم) نے بمبئی سے 1945 میں ''نئی روشنی'' کے نام سے جاری کیا جس کا مقصد خواتین میں آزادی کا صحیح شعور پروان چڑھانا نیز متحدہ ہندوستان کے نظریہ کو فروغ دینا تھا۔ اسی طرح حسرت موہانی کی بیگم نشاط النساء نے جب حسرت جیل میں تھے ان کی قومی اور صحافتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں مدد کی اور بعد میں اردوئے معلیٰ کو جاری کرنے میں بھی ان کا ہر طرح سے ہاتھ بٹایا۔

ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں اردو صحافت نے جس طرح سے انقلاب برپا کیا اور قومی جدوجہد کی ایک ایسی روایت کو مرتب کی جس نے انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کی مزاحمت کو تیز و تر کیا اور آخر کار 15 اگست کو وہ دن بھی آیا جب غلامی کا اندھیر اچھٹا اور ایک آزاد ہندوستان کا سورج طلوع ہوا۔ اس آزاد ہندوستان کے حصول کے لئے اردو صحافت نے جو جاں فشانی، جگر سوزی اور قربانی کی راہ اپنائی وہ تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔

میں اپنے اس مقالہ کا اختتام معروف صحافی محقق گربچن داس چندن کے اس اقتباس پر کرتا ہوں:

''اردو صحافت کے کالموں میں آزادی کی جدوجہد کی نہایت اہم تقریریں، قراردادیں اور یادداشتیں محفوظ ہیں۔ آزادی کی کوئی صداقت پسند تاریخ اس کی خدمات کو نظرانداز نہیں کرسکتی۔ اسے فرقہ واریت کے اس رجحان سے مسلسل سابقہ رہا جسے فرنگی سامراج نے بڑی حکمت اور شاطری سے فروغ دیا لیکن یہ بیشتر حصول آزادی کے لیے سرگرداں رہی۔''

کتابیات:

جام جہاں نما، اردو صحافت کی ابتداء، گربچن چندن، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، 2011

اردو صحافت کی تاریخ 1857-1822، نادر علی خاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1987

دہلی اردو اخبار۔ 1840 مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی، 1972

1857 کے اخبار و دستاویزیں، مرتبہ عتیق صدیقی، مکتبہ شاہراہ، دہلی، 1966

سرسید کی اولین صحافتی کوششیں اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ: ایک تحقیقی تناظر، شافع قدوائی، 2020

حیدرآباد کے اردو روزناموں کی ادبی خدمات، سید ممتاز مہدی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 1998

قومی محاذ آزادی اور یوپی کے مسلمان، پروفیسر عابدہ سمیع الدین، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، 2007

اردو صحافت کا سفر، گربچن چندن، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2007

ہندوستانی صحافت، محمد عتیق صدیقی (مرتب محمد ارشد)، کتابی دنیا، دہلی، 2011

اردو صحافت اور جنگ آزادی 1857، معصوم مرادآبادی، خبردار پبلی کیشن، دہلی 2008

تاریخ صحافت، محمد افتخار کھوکھر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2007

تاریخ اردو صحافت (پہلی تا پنجم جلد)، مولانا امداد صابری، 1983

کاروان صحافت، ڈاکٹر عبدالاسلام خورشید، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، 1989

آج کل اور صحافت، پبلی کیشنز ڈویژن، نئی دہلی، 2000

صحافت پاکستان و ہند میں، عبدالسلام خورشید، مکتبہ کارواں، لاہور، 1982

اردو صحافت انیسویں صدی میں، طاہر مسعود، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2009

لکھنؤ کے بھولے بسرے صحافی، عبدالنافع قدوائی، صدق فاؤنڈیشن، 2018

علی گڑھ میں اردو صحافت، اسعد فیصل فاروقی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2016

اردو صحافت میں مرادآباد کا حصہ، ڈاکٹر انور حسن اسرائیلی، مرادآباد، 2010

صد سالہ صحافت، ضلع بجنور، 1990-1890، شکیل احمد خاں شکیل، اونچل پرنٹرز، بجنور، 2013

آگرہ میں اردو صحافت، ڈاکٹر سید اختیار جعفری، مرزا غالب ریسرچ اکیڈمی آگرہ، 2014

اردو صحافت، انور علی دہلوی، اردو اکاڈمی، دہلی، 2006

جہان اسلام (ترکی کا ایک اردو اخبار)، خلیل طوق آر، 2010

تحریک آزادی اور بیرون ملک میں اردو صحافت، اسعد فیصل فاروقی، 2022

دہلی کے اخبارات و رسائل، سلیم الدین قریشی، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، 2010

سید حسین (1949-1888)، ہندوستان کا ایک دانشور مجاہد آزادی، اسعد فیصل فاروقی، براؤن بک، علی گڑھ، 2021

☆☆

ڈاکٹر رئیس فاطمہ

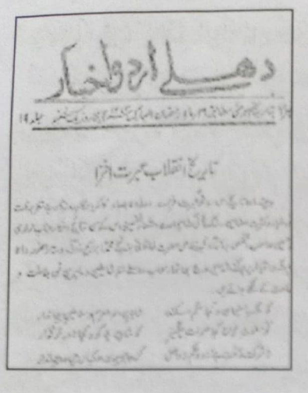
دہلی اردو اخبار

تاریخ انقلاب عبرت افزا

تحریک آزادی اور اردو شاعری

دہلی کے اردو اخبارات کے حوالے سے

شعر کے پردے میں ہے پوشیدہ ساری کائنات
شعر سے بڑھ کر نہیں دنیا میں تفسیر حیات

انیسویں صدی میں جب ہندوستان سیاسی طور پر غلام ہوا تو آزادی کے لیے ایک منظم جدو جہد شروع ہوئی۔ مختلف سیاسی جماعتیں اور ادارے وجود میں آئے۔ بیسویں صدی کے وسط تک آتے آتے انقلاب کے نعرے لگنے لگے اور یہ نعرے اتنے بلند ہوئے کہ مغربی استعمار کی بنیادیں ہل گئیں اور ملک کو مکمل آزادی حاصل ہوئی۔ اس پورے دور میں اردو شاعری نے بھی بڑا انقلاب انگیز کردار ادا کیا۔ غالباً ملک کی تمام علاقائی زبانوں سے زیادہ پرشوکت کارنامہ اس زبان نے انجام دیا۔ ان شاعروں نے آزادی کی تڑپ اور انقلاب کے نعرے کو ہر ہندوستانی کے دل کی دھڑکن بنا دیا۔ جذبۂ آزادی سے سرشار نظمیں آزادی کی جدو جہد کے دوران بڑی بڑی کانفرنسوں میں رہنماؤں کی تقریروں کے شانہ بہ شانہ پڑھی جاتیں اور ہندوستانی عوام کی شریانوں میں خون کی گردش تیز کر دیتی تھیں۔ آزادی کی تڑپ اور مظلوم و مجبور ہندوستانیوں کے دل میں سلگنے والی ان چنگاریوں کو اخبارات میں بھی شائع کیا جاتا تھا جو اس دور کے سیاسی انتشار اور خلفشار کی آئینہ دار ہیں۔ دہلی کے اردو اخبارات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ یہاں کے اردو اخبارات نے بھی غلامی کے احساس کو مختلف نظموں اور شاعری کے ذریعہ منعکس کیا اور حکومت برطانیہ کی خودغرضانہ پالیسیوں کے خلاف پرزور احتجاج درج کرایا۔

24 مئی 1857 کے 'دہلی اردو اخبار' کے شمارے میں مولوی محمد باقر کے فرزند اور اردو کے اہم شاعر و ادیب مولانا محمد حسین آزاد کی نظم ''تاریخ انقلاب عبرت افزا'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب کہ جنگ آزادی پورے ہندوستان میں پھیلتی جارہی تھی۔ اس وقت لب و گفتار پر پابندی عائد تھی اور کسی کے لیے بھی انگریزوں کے خلاف کچھ کہنا اور آواز اٹھانا بڑے دل گردے کا کام تھا لیکن محمد حسین آزاد جو کمپنی کی حکومت سے متنفر تھے، نے اپنے دلی جذبات کو زبان شعر سے ادا کیا۔ قوم کی غفلت کے باعث برطانوی استعمار کے سامنے علم و ہنر اور شجاعت و بہادری سب طاق پر دھرے رہ گئے اور یہ دلیر قوم انگریزوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئی۔ محمد حسین آزاد کی یہ معنی خیز اور جرأت مندانہ نظم ملاحظہ ہو:

''ہے کل کا ابھی ذکر کہ جو قومِ نصاریٰ — تھی صاحبِ اقبال و جہاں بخش و جہاں دار
تھی صاحبِ عالم و ہنر و حکمت و فطرت — تھی صاحبِ جاہ و حشم و لشکر و جرار
اللہ ہی اللہ ہے جس وقت کہ نکلتی — آفاق میں تیغِ غضب حضرتِ قہار
سب جوہرِ عقل ان کے رہے طاق پہ رکھے — سب ناخنِ تدبیر و خرد ہوگئے بیکار
کام آئے نہ علم و ہنر و حکمت و فطرت — یورپ کے تلنگوں نے لیا سب کو وہیں مار
عبرت کے لیے خلق کی یہ سانحہ بس ہے — گر دیوے خدا عقلِ سلیم و دلِ ہشیار
اس واقعے کی چاہی جو آزاد نے تاریخ — دل نے کہا قل فاعتبر و یا اولی الابصار''[1]

واقعہ یہ ہے کہ گردشِ دوراں کسی بھی عقلِ سلیم کے لیے باعثِ عبرت ہوتی ہے جس سے بصیرت حاصل کر کے انسان اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہ اور اسی طرح کی مسلسل کاوشیں ہمیں دہلی کے اردو اخبارات کے صفحات پر جا بجا بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں 'پیام آزادی' (دہلی) کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک آزادی میں نئی روح پھونکنے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے میں 'پیام آزادی' نے بھی سرفروشانہ کردار ادا کیا۔ 'پیام آزادی' میں ایک قومی گیت کی بھی تخلیق ہوئی۔ عظیم اللہ خاں کے قلم سے نکلے ہوئے اس گیت کو گیتوں کے تاج کا ہیرا کہا جا سکتا ہے۔ یہ ایسا قومی گیت ہے جس میں ہندوستان کی تعریفوں کے ساتھ ہی قومی یک جہتی کے جذبۂ پیغام اور جنگ آزادی کے لیے دعوت بھی تھی۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس گیت کو مل کر گاتے تھے۔ 1857 کی جنگ آزادی کے دوران یہ بہادری کا ترانہ پورے ملک پر چھا گیا تھا۔ اس ترانہ کا ایک ایک شعر وطن پرستی کے جذبات سے مملو ہے:

''ہم ہیں اس کے مالک یہ ہندوستان ہمارا — پاک وطن ہے قوم کا جنت سے بھی پیارا
آج شہیدوں نے تم کو اے اہلِ وطن پکارا — توڑ غلامی کی زنجیریں برساؤ انگارا
ہندو مسلم سکھ ہمارا بھائی پیارا پیارا — یہ ہے آزادی کا جھنڈا اسے سلام ہمارا''[2]

جنگ آزادی 1857 کے اسباب کے سلسلے میں قلعۂ معلیٰ اور صحافت کے درمیان سازش کے کارفرما ہونے کا خیال موجود تھا۔ اس وقت اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا گیا تھا کہ اخبارات نے آنے والے انقلاب کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ یہ امر حقائق پر مبنی ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے زیر سایہ دہلی کے اخبارات نے انگریزوں کی کامیابیوں کے باوجود آخری دم تک مجاہدین اور ہندوستان کے حوصلے بلند رکھنے کی کوششیں کیں۔ اس وقت دہلی سے جتنے اخبار جاری ہوتے تھے ان کی اجازت بہادر شاہ ظفر ہی دیتے تھے۔

دہلی میں یکم اگست 1857 کو برٹش فوجوں اور حریت پسندوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ اس دن بقرعید تھی۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنے قطعے میں دشمنانِ وطن کے خاتمے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ قطعہ 3 اگست 1857 کے ''صادق الاخبار'' میں شائع ہوا:

ڈی نمبر 24-2، جامعہ مسجد، گلی، مرکاپور، پراکاسم، ضلع آندھرا پردیش
safdaralibaig786@gmail.com فون: 8074849949

"دلشکرِ اعدا الٰہی آج سارا قتل ہو — گورکھا گورے سے نا گو جر نصاریٰ قتل ہو
آج کا دن عید قرباں کا جب ہی جانیں گے ہم — اے ظفر تہ تیغ جب قاتل تمہارا قتل ہو"[3]

اردو شعرا کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ جنگ آزادی کی راہ میں سب سے بڑے سنگ گراں فرقہ وارانہ تعصبات ہیں۔ انھیں اچھی طرح یہ اندازہ تھا کہ انگریز ہندوستان میں تفرقہ اندازی پیدا کر کے اپنی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے تمام اہل وطن کو حکومت برطانیہ کی چالوں سے خبر دار کیا اور انھیں یہ درس دیا کہ وہ اپنے دلوں کو تعصب اور تنگ نظری سے پاک رکھیں کیوں کہ ملک میں آزادی کا سورج اسی وقت طلوع ہوسکتا ہے جب تمام اہل وطن آپسی تفریق بھلا کر زنجیر غلامی توڑ ڈالنے کی سعی کریں۔ ہندوستانی عوام کو صلح و آشتی سے نہ رہنے پر ایک طنزیہ نظم "ہمدرد" (دہلی) کے اکتوبر 1927 کے شمارے میں صفحہ اول پر شائع ہوئی۔ اس نظم میں شاعر نے دنیا کی مختلف قوموں کے مقابلے میں ہندوستان کی غلامی کو باعث ذلت قرار دیا اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان آزادی کے ساتھ ساتھ اتحاد جیسے قیمتی ہیرے کو بھی کھو بیٹھا۔ جس کی وجہ سے اس ملک میں غلامی کی جڑیں دن بہ دن مضبوط ہوتی جارہی ہیں۔

"مانا کہ مصر کو نہ ہوئی حریت نصیب — لیکن پے حصول وہ جانیں تو کھو سکا
ایران گرچہ نرغۂ اعدا میں ہے مگر — وہ اپنے خون سے داغ غلامی تو دھو سکا
اہل دول نے چین کو برباد کردیا — بد بختیوں پر اپنی مگر کچھ تو رو سکا
گو شام کو فرانس نے تاراج کردیا — دامن وہ اپنے اشک سے کچھ تو بھگو سکا
تو صلح و آشتی سے ہی رہتا تو خوب تھا — ہندوستاں تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا"[4]

ہندو مسلم فسادات کو روکنے اور ہندو مسلم اتحاد کو بڑھاوا دینے کی مخلصانہ کوششیں محمد علی جوہر کے اس اخبار کے ذریعے مسلسل ہوتی رہتی تھیں۔ ہندوستانی عوام کے اعمال و افعال کو مثبت رخ دینے کی کوشش بھی اس اخبار نے مختلف طریقوں سے کی تا کہ ہندوستان اپنے طور پر ایک تعمیری دور سے روشناس ہوا اور اپنی بے کسی غریبی اور بے نوائی میں اور اضافہ نہ کرے۔ محمود اسرائیلی کی ایک اور نظم اسی موضوع کا احاطہ کرتی ہوئی ہمدرد کے 25 جنوری 1925 کے شمارے میں شائع ہوئی جس کا عنوان ہے "وطن سے خطاب"۔

"قوموں کی بود و باش سے قوت وطن کو ہے — پھولوں سے رنگ رنگ کے رونق چمن کو ہے
نغموں کے زیر و بم سے بقا انجمن کو ہے — شیر و شکر نہ ہوں تو پھر کیا مزا وطن
بے کس وطن! غریب وطن! بے نوا وطن!"[5]

نومبر 1927 کے آغاز میں حکومت برطانیہ نے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا جس کا کام ہندوستان کا آئندہ آئین بنانا تھا۔ برطانوی حکمرانوں نے اس کمیشن میں کسی بھی ہندوستانی ممبر کو شریک نہیں کیا تھا جس سے ہندوستانیوں کو یہ احساس ہوا کہ برطانوی حکومت ملک کو آزاد کرنا تو دور انھیں کسی قسم کا اختیار دینے کا اہل بھی نہیں سمجھتی۔ حکومت کے اس ہتک آمیز رویے نے تمام ہندوستانیوں میں برطانیہ دشمنی کے جذبے کو زبردست فروغ دیا اور انھوں نے متحد اور متفق ہو کر اس کمیشن کا مقاطعہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ سائمن کمیشن کے تقرر کے اعلان کے بعد سے ہی اردو میں بے شمار ایسی نظمیں منظر عام پر آئیں جن میں مقاطعے کی تحریک کو قبول عام سے ہم کنار کرنے کے لیے عوام کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی سعی کی گئی تھی۔ سید احمد بریلوی نے کمیشن کے ہندوستان پہنچنے سے پیشتر ہی ہندوستانیوں کو یہ تلقین کی کہ وہ کمیشن کے آنے پر اس کا خیر مقدم ہڑتال سے کریں:

"ناخواستہ مہماں آتے ہیں ان کا استقبال کرو
ہڑتال کرو ہڑتال کرو ہڑتال کرو
بے غیرت بن کر جینا بھی کچھ جینا ہے تم سوچو تو
قربان وطن کی عزت پر تم جان کرو اور مال کرو"[6]

ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط سے بلبل ہند سروجنی نائیڈو بے حد رنجیدہ اور افسردہ تھیں۔ ان کی ایک شاہکار نظم (سروجنی نائیڈو کے ایک شاہکار کا ترجمہ) "مادر وطن سے خطاب" میں وہ مادر وطن کو ایک نیا جاہ و جلال پیدا کرنے کی ترغیب دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ مادر وطن اپنے نونہالوں کی ایک نور سحر کی جانب رہنمائی کرے اور مستقبل میں ایک دور ایسا بھی آئے کہ جب شوکت و نصرت سے یہ دھرتی پھر سے جگا جائے اور سلطان ماضی کی یہ ملکہ (سرزمین ہند) بیدار ہو کر پھر سے اپنا تاج پہن لے۔ درج ذیل اشعار ان کے محسوسات اور خواہشات کی واضح ترجمانی کرتے ہیں:

"اے تو! کہ تیرا شباب جاوداں ہے
اٹھ! مادر وطن اٹھ اور اپنی عمیق ظلمت سے تجلی بار ہو
عروس نو کی مانند کہ جس کا اعلیٰ رشتہ طبقات ارضی سے جڑا ہے
اپنے ازلی بطن سے ایک نیا جاہ و جلال پیدا کر
اقوام جو شب آسا تاریکیوں میں گھر کر روتی ہیں
نور سحر کی جانب ان کی رہنمائی کر
مادر وطن اے مادر وطن تو کیوں نیند کی ماتی ہے
اپنے بچوں کی مامتا کی خاطر اٹھ کر جواب دے
اے نیند کی متوالی مادر وطن بے دار ہو کر تاج پہن لے
تو جو سلطان ماضی کی کبھی چہیتی ملکہ تھی"[7]

مادر وطن میں بہت سی ایسی سماجی برائیاں جڑ پکڑ چکی تھیں جو کسی بھی سماج کی تعمیر میں ایک بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں، جیسے اچھوتوں کو حاشیے پر رکھنا ہمارے سماج میں ایک عام بات تھی۔ مختلف سماجی اور سیاسی رہنماؤں نے ان کے حقوق کے لیے نہ صرف علمی اقدامات کیے بلکہ دوسروں کو ترغیب بھی دی۔ کیفی اعظمی کی ایک نظم "اچھوت طالب علم" کے عنوان سے ریاست اخبار میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں ایک اچھوت طالب علم (جس کی حیثیت ہمارے مہذب سماج میں ذرۂ پامال اور طفل غلام کی ہوا کرتی تھی) کے حصول علم کے شوق اور کٹر سماج کی طرف سے اس کی مخالفت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر یہ احساس شدید ہوتا ہے کہ جس سماج کے مستقبل کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا جائے گا وہ یقیناً پامالی کی طرف گامزن ہوگا۔ آزادی کا حصول تو پھر دور کی بات ہے۔

"سر اٹھا کر دیکھ پائے گا اگر — چوس لے گا خوں کچل ڈالے گا سر
حکم ہے اس کا کہ طفلِ غلام — لکھنے پڑھنے کا کبھی لے گا جو نام
اتنی جرأت ذرۂ پامال کی — ہمسری کرتا ہے میرے لال کی
میری اس طفلانہ ضد سے چند بار — میرے بڑھے باپ نے کھائی ہے مار
آہ یہ ہندوستاں کا حال ہے — اپنی ہی ٹھوکر سے خود پامال ہے"[8]

وقتاً فوقتاً برطانوی حکمراں یہ کہتے رہتے تھے کہ ہندوستان ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ 1941 میں سینٹرل اسمبلی کے ایک اجلاس میں سر جیمز گرگ نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ انگریزی حکومت کی بدولت کسانوں کی آمدنی میں اضافہ ہوا ہے۔ آب پاشی کے بہتر انتظامات اور آمد و رفت کے آسان ذرائع کی بدولت زرعی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور لوگ قحط کا نام بھول چکے ہیں۔ جیمز گرگ کے یہ الفاظ شاید ان کی حکومت کو راس نہیں آئے اسی لیے 44-1943 سالوں کا سب سے اہم واقعہ بنگال کا وہ قحط ہے جس کی ہندوستانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس وقت کوئی حساس اور انسان دوست ایسا نہیں تھا جس کے ذہن کو اس واقعے نے جھنجھوڑ کر نہ رکھ دیا ہو۔ قحط میں ہلاک ہونے والوں کی تصویر اخباروں میں دیکھ کر لوگوں کے دل دہل جاتے تھے۔ اس زمانے میں بیشتر ادیبوں کو اس واقعے نے بہت متاثر کیا اور ہمارے ادب میں اس کی نمایاں طور پر عکاسی کی گئی۔ جگر مرادآبادی جن کی شاعری کا موضوع اکثر و بیشتر حسن و عشق ہوا کرتا تھا ''قحط بنگال'' کے عنوان سے نظم لکھنے پر مجبور ہوئے۔ یہ نظم 'نیا ادب' کے علاوہ ''تیج'' اخبار میں بھی شائع ہوئی۔ پیش ہیں چند اشعار:

''بنگال کی میں شام و سحر دیکھ رہا ہوں — ہر چند کہ ہوں دور مگر دیکھ رہا ہوں
افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سر راہ — بے گور و کفن خاک بسر دیکھ رہا ہوں
اس خطۂ زرخیز میں یہ قحط یہ ادبار — غیروں کی سیاست کا اثر دیکھ رہا ہوں''9

20 اپریل 1942 کے 'چنگاری' اخبار میں ''کیا چاہتا ہوں'' عنوان سے ایک نظم شائع ہوئی۔ اس نظم کے ذریعے شاعر نے ایک ایسے جہان کی تمنا کو قارئین کے روبرو کرایا ہے کہ جہاں غلامی کا ہر نقش باطل ہو، آزاد نغمے گائے جاتے ہوں، ہنرمند کے ہنر کی عزت ہو اور یہ تب ہی ممکن ہے جب یہ ملک غلامی کی زنجیر سے آزاد ہو۔ اس بات کا بھی شاعر کو یقین ہے کہ ہندوستان غلامی کی زنجیر سے ایک دن ضرور آزاد ہوگا:

''جہاں ہو غلامی کا ہر نقش باطل — جہاں دائمی عیش ہو سب کو حاصل
جہاں سب کو حاصل ہو آزادئ دل — وطن کی محبت ہو رگ رگ میں شامل
اک ایسا اک ایسا جہاں چاہتا ہوں — حکومت کسی روز گھٹ کر رہے گی
نہ قصہ رہے گا نہ جھنجھٹ رہے گی — غلامی کی زنجیر کٹ کر رہے گی
کبھی اپنی قسمت پلٹ کر رہے گی''10

14 جون 1945 کو 'انصاری' اخبار میں ''نئے قافلے'' کے عنوان سے رئیس امروہوی کی ایک نظم شائع ہوئی۔ نظم کا عنوان مستقبل کے نئے سیاسی دور کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔ پوری نظم آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو ایک خوش آئند مستقبل کی ضمانت دیتی ہوئی نظر آتی ہے اور بار بار اس بات پر زور دیتی ہے کہ بے شک اس راہ میں ہزاروں مشکلیں اور پریشانیاں ہیں لیکن وہ دن بھی دور نہیں کہ جب ہم آزادی کی منزل سے ہم کنار ہوں گے:

''وہ آثار منزل نظر آ رہے ہیں — نشانات ساحل نظر آ رہے ہیں
وہ رستے جو مشکل نظر آ رہے ہیں — حقیقت میں ہیں راہ دکھلانے والے
نئے قافلے ہیں ابھی آنے والے''11

دہلی کے ان اخبارات کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے آزادئ ہند کی جدوجہد کو حرارت و توانائی بخشنے کا کام نثر کے ساتھ ساتھ شاعری کے ذریعے بھی بھرپور انداز میں وسیع پیمانے پر انجام دیا۔ ان میں ناصر الاخبار، دہلی پنچ، ظریف ہند، دہلی گزٹ، کرزن گزٹ، آفتاب، انقلاب، رعیت، حریت، وحدت، ملت، اتحاد، تیغ، قومی حکومت، انجام، خلافت، سوراجیہ، الامان، منادی وغیرہ کے نام خاص طور سے اہم ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ ان اخبارات نے اردو شاعری کے ذریعے بھی نعمتِ آزادی کے حصول کے سلسلے میں بڑا تاریخی اور قابل فخر کارنامہ انجام دیا۔ ان شعرا کرام نے اپنے عہد کی تصویر کشی کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی استطاعت اور استعداد کے مطابق حالات کا رخ بدلنے کی بھی کوشش کی۔ ہر دور میں اپنے عہد کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم وطنوں کی رہنمائی کے فرائض بھی انجام دیے۔ رفتہ رفتہ تحریک آزادی کے کردار کو پختہ تر کیا اور اس میں روز افزوں توانائی پیدا کی۔ ان شعرا کرام نے اپنے پُرجوش نغموں اور ولولہ انگیز ترانوں سے اہل ملک کو جنگ آزادی میں شامل ہونے کی ترغیب دینے کا فریضہ بخوبی انجام دیا اور یہ فریضہ اس وقت تک خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے جب تک کہ 15 اگست 1947 کو افق ہند پر آزادی کا سورج اپنی تمام تر رعنائیوں اور تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر نہیں ہو گیا۔

حواشی

1: دہلی اردو اخبار، 24 مئی 1857، جلد 19، شمارہ نمبر 21، بحوالہ اٹھارہ سوستاون اخبار اور دستاویزیں، مرتبہ: عتیق صدیقی، ص 96-1995
۲: دہلی اور آزادی، دھرمیندر ناتھ، مترجم: انیس مرزا، 2011، ص 31
۳: صادق الاخبار دہلی، 3 اگست 1857، بحوالہ 1857 اخبارات اور دستاویزیں، عتیق صدیقی، ص 213
۴: روزنامہ ہمدرد، دہلی، 27 اکتوبر 1927، جلد 4، شمارہ 243، ص۔1
۵: روزنامہ ہمدرد، دہلی، 25 جنوری 1925، جلد 2، شمارہ نمبر 20، ص 1
۶: روزنامہ ہمدرد، دہلی، 30 جنوری 1928، ص 1
۷: تیج ویکلی، دہلی، 18 فروری 1935، جلد 13، شمارہ نمبر 30، ص 40
۸: ہفتہ وار ریاست، دہلی، 4 اگست 1941، جلد 31، شمارہ نمبر 5، ص 6
۹: تیج ویکلی، دہلی، 23 نومبر 1943، جلد 10، شمارہ نمبر ندارد، ص 9
۱۰: ہفت روزہ چنگاری، دہلی، 20 اپریل 1942، جلد 4، شمارہ نمبر 1، ص 7
۱۱: انصاری ویکلی، دہلی، 14 جون 1945، جلد 6، شمارہ نمبر 23، ص 3

☆☆☆

علی گڑھ میں
'آجکل'
حاصل کریں
ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ
فون: 08439184102